ماہنامہ

حکمت بالغہ

جون2012

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:-0092-47-77628261

ای میل:hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ:

http://www.hikmatbaalgha.com

http://www.hamditabligh.net

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے

جلد 6	شمارہ 6	رجب 1433ھ	جون 2012ء

ماهنامه

حکمت بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئرمختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی	مدیر معاون ونگران طباعت	مفتی عطاء الرحمٰن
حافظ مختار احمد گوندل	تزئین وگرافکس	سعد حسن خان
پروفیسر خلیل الرحمٰن	قانونی مشاورت:	
محمد فیاض عادل فاروقی	محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ	

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون پندرہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندرونِ ملک 350 روپے، قیمت فی شمارہ 35 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7628561-7628361

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض حسین مطبع: سلطان باہو پریس فوار چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ الجن	3
2	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
3	جانشین پیغمبر حضرت صدیق اکبرؓ	حافظ مختار احمد گوندل	18
4	مواقع النجوم کی قسم		27
5	شکوہ اور جوابِ شکوہ کا منظر و پس منظر		31
6	شکوہ اور جوابِ شکوہ نظمیں		40
	شکوہ اور جوابِ شکوہ صد سالہ یادگاری تقریب		45
	جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے سو سال پر رسائل و جرائد کے تبصرے		57

قارئین کرام! قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات و احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ الجن (11-19)

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوۡنَ وَ مِنَّا دُوۡنَ ذٰلِکَ

اور یہ کہ ہم میں بعض نیک ہیں اور بعض دوسری طرح کے

کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا O

ہمارے کئی (طرح کے) مذہب ہیں

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰہَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَنۡ نُّعۡجِزَہٗ ہَرَبًا O

اور یہ کہ ہم نے یقین کرلیا ہے کہ ہم زمین میں (خواہ کہیں ہوں)

اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡہُدٰۤی اٰمَنَّا بِہٖ

اور جب ہم نے آخری ہدایت (کی کتاب) سنی اس پر ایمان لے آئے

فَمَنۡ یُّؤۡمِنۡ بِرَبِّہٖ فَلَا یَخَافُ بَخۡسًا وَّ لَا رَہَقًا O

تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لاتا ہے اس کو نہ نقصان کا خوف ہے نہ ظلم کا

وَّ اَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَ مِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ

اور یہ کہ ہم میں بعض فرمانبردار ہیں اور بعض (نافرمان) بے انصاف ہیں

فَمَنۡ اَسۡلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوۡا رَشَدًا O

تو جو فرمانبردار ہوئے وہ تو سیدھے رستے پر چلے

وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا

اور جو (نافرمان) بے انصاف ہوئے وہ دوزخ کا ایندھن بنے

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ

اور (اے پیغمبر) یہ (بھی ان سے کہہ دو)

کہ اگر یہ لوگ سیدھے راستے پر رہتے

لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا O

تو ہم ان کو خوب سیراب کرتے

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ

تا کہ اس سے ان کی آزمائش کریں

وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ

اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے منہ پھیرے گا

يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا O

وہ (پروردگار) اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا O

اور یہ کہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو

وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ

اور جب اللہ کے بندے (محمد ﷺ) اس کی عبادت کو کھڑے ہوئے

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا O

تو کافر ان کے گرد (بری نیت سے) ہجوم کر لینے کو تھے

صدق اللہ العظیم

حرفِ آرزو

سائبیریا سے اُٹھنے والے عالمی فاتحین
اور خطہ اُفپاک (افغانستان+ پاکستان)

انجینئر مختار فاروقی

تاریخ عالم میں تہذیبوں، بادشاہتوں اور فاتحین کے سینکڑوں تذکرے ہیں۔ ایک سے ایک بڑا فاتح اُٹھا اور اس نے انسانیت کو زیر کرنے اور اپنے ذاتی اقتدار کے لئے لاکھوں کروڑوں اپنے جیسے انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ علاقائی سطح کے جنگجو سرداروں راجاؤں اور بادشاہوں سے ذرا بلند ہو کر سوچیں تو تاریخ انسانی میں ایسے بھی چند نام ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ ہزاروں میلوں کا فاصلہ طے کر کے علاقوں کو تاراج کرتے، لوٹ مار مچاتے، بستیوں، آبادیوں کو تہ تیغ کرتے کروڑوں مربع کلومیٹر کے علاقوں میں سرگرم رہے اگرچہ ان کے پیش نظر ان ساری مہمات کا کوئی مثبت انسان دوست، علم دوست، اخلاق دوست، فلاحی مقصد نہیں تھا۔ ان کی ساری مہم جوئی ذاتی اغراض، نفسانی خواہشات کی تکمیل، حب تفوق (URGE TO DOMINATE) کے ابلیسی (منفی) تصورات کا پرتو اور لوٹ مار کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

ان عالمی سطح کے بین البراعظمی فاتحین کی فہرست میں چند اہم نام ...... یونان کا سکندر اعظم، بابل کا بخت نصر، ایران کا دارا، روم سے قیصر، ٹائٹس اور اٹیلا، شمالی چین سے چنگیز خان اور ہلاکو خان کے ہیں۔ حتیٰ کہ دورِ حاضر کی مغربی تہذیب جو گزشتہ چھ صدیوں سے پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہے اور لٹریچر، میڈیا، تاریخ، علم، ترقی سائنسی ایجادات غرض ہر چیز کو عالمی سطح پر اپنی ڈھب ہی پر چلا رہی ہے۔ اس تہذیب کے اثرات کیا ہیں؟ اور ان انسان دشمن اور خدا بیزار

نظریات سے انسانیت کو کب اور کیسے نجات ملے گی؟ کون اور کہاں سے لوگ اُٹھیں گے جو اس تہذیب جدید کے منہ پر (بقولِ مولانا ظفر علی خان رحمہ اللہ) ایسا تھپڑ رسید کریں گے جو اس 'حرام زادیٔ (ابلیسی) تہذیب کا حلیہ بگاڑ دے۔ تاہم اس تہذیب کے اقتدار میں آنے اور عالمی سطح پر اپنے بے رحم پنجے گاڑ کر تمام انسانیت کو اپنی گرفت میں لے لینے کے عمل میں اُنہوں نے کیا طریقہ کار اختیار کیا تھا؟ وہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کا جواب ہم 'محکوموں' اور مغربی تہذیب کے پرستاروں کے پاس تلاش کرنا عبث ہے۔ محکوموں اور غلاموں کا کام تو بالا دست قوتوں کی کاسہ لیسی اور خوشامد کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں۔ جسے مقتدر قوتیں صحیح کہیں اُسے صحیح سمجھو اور جیسے یہ قوتیں غلط کہیں اُسے برملا بالا سوچے سمجھے غلط کہہ دو۔

تاہم اہل مغرب میں سے آج سے پندرہ سال قبل جو کتاب چھپی اور عالمی سطح پر چھا گئی وہ سیموئیل پی ہنٹنگٹن نے لکھی اور CLASH OF CIVILISATIONS کے نام سے جانی جاتی ہے جس کا اُردو ترجمہ ''تہذیبوں کے تصادم'' کے نام سے ملتا ہے۔ اس کے مندرجات سے مغرب کے خیالات پر روشنی پڑتی ہے اور آئندہ منصوبہ جات کا بھی ہیولی سامنے آجاتا ہے۔ صاحب کتاب کے نزدیک 'مغرب' کو اپنی بالا دستی قائم رکھنے کے لئے دنیا کی آبادی میں 'مغرب کے مخالفین' ممالک اور مذاہب میں سے اگر دو ارب انسان (2000 ملین افراد) تباہ کر کے موت کے گھاٹ اُتارنے پڑیں تو بھی اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے اور اپنی تہذیب کا تحفّظ کرنا چاہیے اور اسی منصوبے پر مغرب آج عمل پیرا ہے۔

اسی سوچ اور طرزِ فکر سے مغرب کی موجودہ بالا دستی کے پیچھے چند صدیاں پہلے کے طرزِ عمل پر بھی روشنی پڑتی ہے اور دھندلی سی تصویر ذہن میں لائی جاسکتی ہے چنانچہ کتاب کا مصنف نہ معلوم کس ترنگ میں یہ بھی لکھ گیا ہے کہ

> ''........... 1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دار و مدار ان کی جنگی استعداد میں اضافہ تھا۔ جس کو فوجی انقلاب کا نام دیا گیا ہے۔ **مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقدار یا مذہب کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا بلکہ اس وجہ سے فتح کیا کہ منظّم تشدد کرنے**

میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کر سکتے'' (ترجمہ: عبدالمجید طاہر)

قارئین کرام! آج نیٹو (NATO) کے ذریعے عراق، مصر، لیبیا، افغانستان اور پاکستان کی متوقع تباہی کو دیکھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ چند صدیاں قبل جو مغربی سامراج نے مسلمانوں سے حکومتیں چھینیں، سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کیے اور باقی ممالک پر بھی بلا جواز قبضہ جما لیا تو اس میں کوئی نظریہ، فلاح و بہبود کا کوئی منشور، احترامِ آدمیت کا کوئی سبق یا انسان دوستی اور علم دوستی کی کوئی شمع جلانا مقصود نہیں تھا (اور نہ اولمپک شمع کو آج بھی ملک ملک گھمانے سے کوئی مثبت مشن سامنے ہے) بلکہ مقصود صرف اور صرف تمام عالم کو اپنے زیرِ تصرف لا کر ایک عالمی حکومت قائم کرنا تھا۔

تاریخ میں چند ایسے فاتحین بھی ہیں جو اسی طرح ہزاروں میل کا سفر کر کے ایک براعظم سے دوسرے براعظم چلتے گئے مگر ان کے ہاتھ میں علم، تہذیب، اخلاق، کردار، فلاحِ انسانیت کی شمعیں تھیں انصاف، بھائی چارہ، احترامِ آدمیت جیسے سنہری اُصول تھے جو ان کا طرۂ امتیاز تھے دنیا آج بھی ان فاتحین کا نام احترام سے لیتی ہے۔ طارق بن زیاد ہو، محمد بن قاسم ہو یا سلطان محمد فاتح، دنیا ان کو جانتی ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا نام ہر مسیحی اور یہودی کو ماں کی گود سے ہی از بر کرایا جاتا ہے۔ ان فاتحین عالم میں حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کا نام بھی آتا ہے حضرت ذوالقرنین (سائرس، جس کا تذکرہ بائبل میں بھی آیا ہے) بھی انھیں انسان دوست فاتحین میں شمار کیے جاتے ہیں۔

دنیا میں پہلی قسم کے فاتحین کے بارے میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ ایسے تمام فاتحین براعظم ایشیا کے انتہائی شمالی علاقہ 'سائبیریا' سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ علاقہ 2000ء کی مردم شماری میں بھی بہت کم آبادی کا ملک ہے جبکہ چار پانچ ہزار قبل اس علاقے کے بارے میں انسان خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس علاقے کی صورتِ حال کیا ہوگی؟۔

آج کا روس (جس کا قدیم نام سائبیریا ہے) 170 ملین آبادی کا ملک ہے اور تقریباً 17 ملین مربع کلومیٹر کا علاقہ اس کے پاس ہے، گنجان آباد شہری اور صنعتی علاقوں کو نکال دیں تو آج

بھی سائبیریا کے اصل علاقوں کی آبادی ایک یا دو آدمی فی مربع کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہے۔ آج سے صرف 150 سال پہلے دنیا کی آبادی آج کی آبادی کا دسواں حصہ تھی یعنی دو صدی قبل سائبیریا کا علاقہ ایک یا دو آدمی فی دس مربع کلومیٹر کی آبادی کا حامل علاقہ تھا اور دو ہزار سال یا چار ہزار سال قبل کے حالات کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔

سائبیریا کا زیادہ علاقہ دنیا کا سرد ترین علاقہ ہے اور زندگی آج کے صنعتی دور میں بھی بہت مشکل ہے۔ دو ہزار سال قبل ان علاقوں کی زندگی نا قابل تصوّر ہے۔

یہ سائبیریا کا علاقہ ـــــــ دنیا کے مشہور فاتحین کا گہوارا کہلاتا ہے ہلاکو خان، چنگیز خان، تیمور، یونانی فاتح اسکندر بازنطینی اور رومی فاتحین سب اصلاً اسی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی لئے انگریزی کتاب SIBIRIA---THE CRADLE OF CONQUERERS ایک ضخیم کتاب اس موضوع پر ملتی ہے۔

ان فاتحین عالم کے بارے میں جو تحقیقات سامنے آئی ہیں ان سے لگتا ہے کہ ان فاتحین ـــــــ کا مذہب، اخلاق، انسان دوستی اور علم دوستی، احترامِ انسانیت اور عدل وانصاف سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جہاں جہاں یہ گئے وہاں انہوں نے جو کلچر، اقدار، مذہب اور ذہن پھیلایا ہے اسے تاریخ انسانی کا بدنام ترین اور ابلیسی کلچر ہی کہا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں جین مت کے بدنام زمانہ مندر KHUJARAHO TEMPLES اس کا ہندوستان میں منہ بولتا ثبوت ہیں تو مغرب میں قوم لوط (علیہ السلام) کی اُٹھان اور اخلاق باختگی، سسلی اٹلی اور مالٹا کے غاروں میں بے ہودگی کے مناظر اور تباہ شدہ قوم کے آثار (یومپیا کے آثار) ـــــــ سب انہیں فاتحین کے بدبودار ذہن کے آثار ہیں۔ یونان کا سکندر بھی اسی طرح کی تہذیب کا SYMBOL تھا۔ اس کا استاد ارسطو اس کے ساتھ تھا اور عالمی تسخیر کا منصوبہ برائے بے حیائی اسی ارسطو کے ذہن رسا کی پیداوار تھی۔ مگر دست قدرت نے ارسطو کی دست برد سے ایک عالم کو بچا لیا اور اسکندر اپنے ابلیسی اور شیطانی خیالات اپنے ساتھ لے کے زیر زمین دفن ہو گیا۔

یونانی فلاسفہ کے انسان دشمن، عقل دشمن، خدا بیزار اور ابلیسی افکار آج مغرب نے نہ معلوم کیوں دوبارہ اختیار کر رکھے ہیں اور ان کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ

آج کی مغربی تہذیب کے پس پردہ صہیونیت اور یہود کا ہاتھ ہے اور یہود بہرحال انبیاء کرام علیہم السلام کے ماننے والے ہی ہیں اور ان کے پاس حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی باشاہت اور قانون کے رول ماڈل (ROLE MODEL) موجود ہیں اس کے باوجود صہیونیت اپنے ناپاک ابلیسی منصوبوں کی تکمیل کے لیے رومن لاء اور روسی طرز حکومت، آزاد خیالی، اباحیت پرستی (آزادی) اور مذہب دشمنی کے خیالات پروان چڑھا کر اپنا اقتدار قائم کیے ہوئے ہے۔

سائبیریا سے اُٹھنے والے ان فاتحین کے رویوں کی تبدیلی کا معاملہ اس وقت سامنے آیا ہے جب ان میں کسی نے اسلام قبول کرلیا ہے اور آسمانی ہدایت کے دامن رحمت میں آ گیا ہے۔ وہی چنگیز خان اور ہلاکو خان جس نے عباسی حکومت کو تاراج کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں کی اولاد کو اسلام کی توفیق بخشی اور آئندہ کئی صدیوں تک اسلام کا جھنڈا اسی بہادر قوم کے ہاتھ تھما دیا۔ بقول اقبال؎

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

سائبیریا سے اُٹھنے والے ان فاتحین کے بارے میں ایک اور بات بھی اصول موضوعہ کے طور پر سمجھی جاتی ہے کہ ـــــــ وہ جہاں بھی گئے (چونکہ ان کے ہاں مذہب، اخلاق اور اقدار نام کی کوئی شئے نہیں تھی اور نہ ہی رحم کے عمومی جذبات، انسانی اقدار، اور احترام آدمیت کے جذبے سے انہیں کوئی حصہ ملا تھا اس لیے ظلم، بے رحمی، قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے وہ) غالب آتے چلے گئے اور مقامی لوگ ان کا راستہ نہ روک سکے۔ علامہ اقبال نے اس بات کا یوں نقشہ کھینچا ہے؎

اسکندر و دارا کے ہاتھوں سے جہاں میں سو بار ہوئی حضرت انسان کی قبا چاک

تاریخ میں اس کلیہ سے صرف دو استثناءات ہیں اور بڑی عجیب بات ہے کہ دونوں موجودہ پاکستان کے علاقے سے ہی متعلق ہیں۔

1 پہلی مثال ارسطو کے تربیت یافتہ بداخلاق، ظالم سفاک ابلیسی خیالات کے حامل اسکندر یونانی*(ALEXANDER) کی ہے کہ وہ یونان سے اُٹھا ـــــــ ترکی اور شام کے

*ہم نے یونانی تہذیب اور سکندر کے بارے میں ذرا مہذّب الفاظ استعمال کیے ہیں ورنہ تاریخ میں اس حیوانی اور درندگی کی تہذیب کے بارے میں جو کچھ محفوظ ہے وہ اس سے کہیں زیادہ برے الفاظ کا تقاضا کرتا ہے۔

راستے پورے مشرق وسطی اور ایران کو تاخت و تاراج کرتا ہوا افغانستان سے ہو کر جب بولان کے

پہاڑی سلسلہ کے پار آیا تو وجوہات کچھ بھی ہوں دریائے چناب کو عبور نہ کر سکا اور اس کا تسخیر عالم کا منصوبہ ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ یہاں کے لوگوں نے اس عالمی ظالم اور بدمست طاقت کا نہ صرف منہ پھیر دیا (جیسے یہود کے بارے میں الفاظ قرآنی نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰى اَدْبَارِهَا ہیں اسی طرح کی سزا اس قوم کے حصہ میں آئی) بلکہ اس کے فوجیوں اور مشیروں کو اس درجے ہراساں کر دیا کہ اس نے واپسی کا سفر اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔

ملکوں کی فتح بنیادی طور پر چونکہ نظریات ہی کی جنگ اور فتح ہوتی ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ ہند کے اس علاقے کے لوگوں کے نظریات اور افکار کے مقابلے میں ارسطو اور اس کے تربیت یافتہ اسکندر اعظم کے افکار زیادہ ناپاک، گندے اور ننگ انسانیت تھے اس لیے وہ آگے نہیں جا سکا۔

2 دوسری مثال دورِ حاضر میں بیسویں صدی کی ہے۔ سائبیریا سے اُٹھنے والی طاقت روس جو 1917ء کے بالشویک انقلاب کے بعد USSR کہلاتا تھا ایشیائی اور یورپی کئی ریاستوں پر مشتمل تھا دنیا کی عظیم سپر پاور تھا۔ طاقت، سائنسی ترقی اور خلائی تسخیر میں مغرب سے زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ وہ جہاں گیا فتح یاب ہی ہوا، اس کے نظریات دنیا میں پھیلتے چلے گئے اور جغرافیائی حدود کو پھلانگ کر امریکہ کی بغل میں کیوبا ملک تک جا پہنچے اور قابل ستائش ہے کہ آج تک وہ ملک کمیونسٹ ہی ہے۔ افریقی ممالک اور مشرق وسطیٰ میں اس کی پذیرائی ہوئی اور یکے بعد دیگرے کئی ممالک اس کے نظریات پر ایمان لاتے چلے گئے۔

مگر ــــــ نیرنگئ قدرت دیکھئے USSR کی عالمی طاقت جس سے امریکہ بھی مرعوب تھا اس نے افغانستان کے راستے جب گرم پانیوں تک رسائی کے لیے منصوبہ پر عمل شروع کیا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ ــــــ دنیا حیران ہے۔ وہ USSR جس نے پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم میں بے شمار کامیابیاں حاصل کیں۔ ویتنام میں امریکہ کے فوجیوں کو جوتیاں چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا جس نے سارے مشرقی یورپ پر اپنا اثر ورسوخ قائم کر دیا ــــــ وہی USSR جب افغانستان پر حملہ آور ہوا ــــــ اور قریب تھا کہ وہ افغانستان پر اپنا قبضہ کرنے کے بعد جنوب کی طرف بلوچستان سے ہو کر بحیرۂ عرب اتر جائے گا یا جنوب مشرق کے راستے سے ہوتا ہوا کراچی پہنچ جائے گا۔

ع من در چہ خیالیم...... وفلک در چہ خیال ـــــ دنیا جانتی ہے کہ اس عالمی سپر طاقت USSR کے مقابلے میں افغانستان اور پاکستان کے مسلمانوں نے کمر ہمت کس لی اور سخت مقابلہ کیا اور پندرہ سالہ جنگ کے بعد اس سپر طاقت کے دانت کھٹے کر دیے اور اس کے فوجیوں کو اسلحہ بیچ بیچ کر واپس جانے پر مجبور کر دیا ـــــ حتیٰ کہ USSR نام کی سپر پاور تحلیل ہوگئی اور اس کے زیر تسلّط سے درجنوں مسلم ریاستیں آزاد ہوکر دوبارہ اسلام کے دامن رحمت میں آ گئیں۔

USSR کی اس شکست وریخت سے تاریخ عالم میں سائبیریا سے اٹھنے والے فاتحین کے لیے ایک استثنائی مثال قائم ہوگئی کہ عالمی فاتحین کے اس گہوارہ سے اٹھنے والے طوفان کا راستہ روک کر دکھایا ہے ایک مسلمان ملک پاکستان اور دوسرے مسلمان ملک افغانستان کے عوام نے ایک ایسی طاقت کا غرور خاک میں ملا دیا جو اپنے ماضی اور نظریات کے اعتبار سے شکست کے نام سے ناواقف تھی اور علاقہ بھی اس عظیم سلطنت سے ملحق تھا فوجی کمک اور سامان رسد کی کوئی دشواری نہیں تھی۔

ہماری آرزو ہے کہ اسی خطّہ کے عوام مسلمانانِ پاکستان اور طالبانِ افغانستان آج کی عظیم طاقت NATO (جو دراصل سائبیریا ہی سے اُٹھنے والی آزاد، بے اُصول، عیاش اور حیوانی تہذیب ہی کے علمبردار ہیں) کو بھی (ارسطو اور) سکندر نیز USSR کی طرح لگام دینے اور منہ پھیر دینے کا باعث بن جائیں۔ تاکہ دنیا کو NATO کے عزائم یعنی عالمی صہیونی (ابلیسی) حکومت کے قیام سے محفوظ رکھا جاسکے اور انسانیت کو ترقی اور آزادی کے نام پر ایک خالص حیوانی اور قدیم سائبیرین تہذیب کے ماتحت ہوکر بے دست و پا ہونے سے بچا کر ـــــ عزت و آبرو، عدل وانصاف، بھائی چارہ، احترامِ جان اور احترامِ انسانیت جیسے سنہری اور انسان دوست اُصولوں کو از سرِنو فروغ دے کر دنیا کو 'انسانیت' کے شایانِ بنایا جاسکے ـــــ جہاں کوئی بھوکا نہ سوئے ـــــ جہاں لوٹ کھسوٹ نہ ہو ـــــ جہاں سود، رشوت، جاگیرداری نہ ہو ـــــ جہاں وسائل رزق کی منصفانہ تقسیم ہو ـــــ جہاں عدل ہو انصاف ملے ـــــ روٹی کپڑا مکان اور علاج معالجہ ہر انسان کو مفت میسر آئے ـــــ جہاں ظلم نہ ہو دھونس اور دھاندلی نہ ہو ـــــ جہاں کسی کی عزت نہ لٹے ـــــ جہاں حکمران عوام کے حقیقی خادم اور 'عام انسان' کے معیارِ زندگی پر زندگی گزار رہے ہوں ـــــ لوگ آسودگی اور سکون کی اس کیفیت

میں اپنے مالک خالق اور رب کی معرفت حاصل کریں۔ اعلیٰ انسانی اقدار کا فروغ ہو ــــــ جہاں شرم ہو حیا ہو عورت اور مرد کے لئے عزت ہو ــــــ مساوات ہو۔

ہمارے نزدیک یہ ــــــ اعلیٰ اقدار کسی اندھی طاقت کے نشۂ اقتدار اور ہوس ملک گیری کے ساتھ وسائل عالم پر تنہا قبضے کے عزائم کے پورے ہونے سے انسانیت کا مقدّر نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ صرف اور صرف اپنے رب ــــــ اللہ تعالیٰ کو مان کر ــــــ آسمانی ہدایت کے سایۂ رحمت میں آجانے ہی سے یہ خواب حقیقت کا روپ دھار سکتا ہے۔

ع ایں دُعا از من ــــــ واز جملہ جہاں آمین باد

اے اللہ تو اس کو جلد ممکن بنادے۔ آمین

جانشین پیغمبر ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کا پہلا خطاب......یعنی......خطبہ خلافت

حافظ مختار احمد گوندل

آفتابِ نبوت کا پرتو جود وسخا، امام عاشقاں، نائب مصطفیٰ ﷺ، ثانی اثنین اور لسانِ نبوت پر 'رفیقی فی الجنة' کی صدائے دلربا، جامع القرآن والحسنات، وزیرِ مصطفیٰ، اعلم الناس، مہبط سلامِ خدا، حسن خلق کا پیکر، خیر الناس واشجع الناس، کشتۂ عشق پیغمبر سیدنا عبداللہ ابن ابی قحافہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ 22 جمادی الثانی بروز پیر بعداز غروبِ آفتاب 63 برس کی عمر میں، دو سال تین ماہ اور گیارہ دن کے بارِ خلافت سے سبکدوش ہو کر واصل بحق ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ خلافت جو دورِ حاضر میں امن عالم کی ضمانت ہے نذرِ قارئین ہے۔ وہ ہستی جن کا چہرہ تبسّم مصطفےٰ ﷺ ہو، اعلم مزاجِ رسول اللہ ہو، جن کی محبت' محبت مصطفیٰ والہٰ ہو، جن سے بغض' بغض مصطفیٰ والہٰ ہو، تمام صحابہ کرام کا تخاطب بارگاہِ رسالت مآب میں 'یاخلیفة رسول اللہ' ہو، جس کا تمام اثاثہ وقف سید الانبیاء ہو، رحلت نبوی کے بعد فقط جس کا دروازہ مسجد نبوی کی طرف وا ہو، جو صاحب الغار والمزار ہو اور قیامت کے دن جس پر دست مصطفیٰ ﷺ ہو، جس کی لختِ جگر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ سید الانبیاء ہو، جو رفاقت وخلافت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اعزاز یافتہ ہو، جو افضل البشر بعد الانبیاء ہو اس کا خطبہ خلافت حالاتِ حاضرہ کے تمام مسائل کے حل کا بھی تریاقِ اعظم ہے۔

بارخلافت سے بہرہ ور ہونے اور مسجد نبوی میں بیعت عامہ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور سیدنا محمد ﷺ پر درود وسلام کے بعد حکومتی ذمہ داریوں کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ قَدۡ وُلِّیۡتُ اَمۡرَکُمۡ وَ لَسۡتُ بِخَیۡرِکُمۡ

اے لوگو! مجھے تمہارے امور کا حاکم بنادیا گیا ہے اور میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں

وَ اِنَّ اَقۡوَاکُمۡ عِنۡدِیۡ الضَّعِیۡفُ حَتّٰی آخُذ بِحَقِّہٖ

اور یقیناً تم میں قوی ترین شخص میرے نزدیک کمزور ہے

جب تک اس سے حق وصول نہ کرلوں

وَ اِنَّ اَضۡعَفَکُمۡ عِنۡدِیۡ الۡقَوِیُّ حَتّٰی آخُذ مِنۡہُ الۡحَقَّ؛

اور تم میں سے کمزور ترین شخص میرے نزدیک قوی اور طاقتور ہے

جب تک کہ اس کا حق نہ لے دوں

اَیُّھَا النَّاسُ: اِنَّمَا اَنَا مُتَّبِعٌ وَ لَسۡتُ بِمُبۡتَدِعٍ

اے لوگو! میں (رسول اللہ ﷺ کی) کا پیروکار ہوں نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں

فَاِنۡ اَحۡسَنۡتُ فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ وَ اِنۡ زغۡتُ فَقَوِّمُوۡنِیۡ

اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کرنا

وَحَاسِبُوۡا اَنۡفُسَکُمۡ قَبۡلَ اَنۡ تُحَاسَبُوۡا

اور اپنا محاسبہ کرنا اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے

وَ لَایَدَعُ قَوۡمٌ الۡجِھَادَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اِلَّا ضَرَبَھُمُ اللّٰہُ بِالذُّلِّ

اور جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کردیتا ہے

وَ لَاظَھَرَتِ الۡفَاحِشَۃُ فِیۡ قَوۡمٍ اِلَّا عَمَّھُمُ اللّٰہُ بِالۡبَلَاءِ

اور جس قوم میں بے حیائی ظاہر ہوجائے اللہ تعالیٰ اس پر مصائب عام کردیتا ہے

فَاَطِیۡعُوۡنِیۡ مَا اَطَعۡتُ اللّٰہَ فَاِنۡ عَصَیۡتُ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَلَا طَاعَۃَ لِیۡ عَلَیۡکُمۡ

تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں

اگر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر لازم نہیں

وَ لَوَدِدۡتُ اَنَّہٗ کَفَانِیۡ ھٰذَا الۡاَمۡرُ اَحَدُکُمۡ

اور میں چاہتا ہوں کہ اس معاملہ میں تم میں سے کوئی میری کفایت کرے

وَ اِنْ اَنْتُمْ اَرَدْتُّمُوْنِیْ عَلٰی مَاکَانَ اللّٰہُ یُقِیْمُ نَبِیَّہٗ مِنَ الْوَحْیِ مَا ذَالِکَ عِنْدِیْ

اور اگر تم مجھ سے ارادہ رکھتے ہو اس کا جو اللہ اپنے نبی سے قائم رکھتا تھا یعنی وحی کا تو وہ میرے پاس نہیں

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَرَاعُوْنِیْ

میں تو ایک انسان ہوں لہٰذا میری رعایت کرنا

(کنزالعمال، جزء ۳،صفحہ ۱۳۰-۱۳۵)

سیدنا صدیق اکبرؓ کا یہ خطبہ ہر دور کے حکمرانوں کے لیے ایک وقیع منشور کا حامل ہے؛ لہٰذا جدید تعلیم یافتہ اور انگریزی دان طبقہ کے لیے اس کا انگریزی ترجمہ بھی دیا جا رہا ہے۔

O People! Even though I am not the best of you, I have been given the responsibility of ruling you. I will consider the weakest among you strong until I claim for them whatever is their due. And the strongest among you I will consider weak until I have taken from them whatever is due from them. O People! I am a follower (of the Prophet), not an innovator. So, if I do well, assist me! And if I deviate, straighten me out! And reckon with yourselves before you are taken to reckoning! No people ever abandoned jihad in the way of Allah except that Allah afflicted them with disgrace! And never did an obscenity appear among people except that Allah caused disaster to spread among them! Then obey me for as long as I obey Allah! But if I disobey Allah or His Prophet, you owe me no obedience! I really prefer that another one of you should have been given (and thus spared me) this responsibility! And if you expect me to assume the same role as the Prophet in relation to wahy (revelation), I cannot do that. I am only human,

so make allowance for me.

سیدعلی ہجویری رحمہ اللہ کی تصنیف کشف المحجوب میں

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ بھی درج ہیں:

و الله ماکنت حریصا علی الامارة یوما و لا لیلة

قط و لا کنت فیها راغبة و لا سللتها قط فی سر و

علانیة و مالی فی الامارة من راحة

"بخدا! من به امارت حریص نیستم و نبودم

و هرگز روزی و شبی ارادت آں در دلم گزر

نه کرد و مرا بداں رغبت نیست و مرا

اندر آں راحت نیست"

فارسی عبارت کا اردو ترجمہ یہ ہے:

''خدا کی قسم میں خلافت کی حرص نہیں رکھتا تھا نہ کسی دن

اور نہ کسی رات، اس کی خواہش میرے دل میں پیدا ہوئی

اور نہ علانیہ اور نہ ہی مخفی میں نے کبھی خدا سے اسے چاہا

اور نہ میرے لیے اس میں کوئی راحت ہے''

آزادئ فکر

علامہ اقبال

آزادئ افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادئ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ!

قرآن پاک میں

'مَوَاقِعُ النُّجُوم' کی قسم

انجینئر مختار فاروقی

01۔ قرآن مجید میں سورۃ الواقعہ کے آخری رکوع میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے اور ایک قسم کھا کر قرآن مجید کی عظمت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ قسم ______ 'مواقع النجوم' کی کھائی گئی ہے۔ یہاں مواقع النجوم سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ ذیل کی سطور میں اس اہم نکتہ پر روشنی ڈالنے کی ایک سعی کی گئی ہے۔

02۔ سورۃ الواقعہ کی مذکورہ آیات بمع ترجمہ درج ذیل ہیں

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ O وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ O اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ O فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ O لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ O تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ O (56:75-80)

''ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے۔ کہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے (جو) کتاب محفوظ (میں لکھا ہوا ہے) اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔ پروردگار عالم کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔''

03۔ قسم کی بلاغت اور جوابِ قسم میں قرآنِ مجید کی عظیم شانوں کا تذکرہ ہی اشارہ کر رہا ہے کہ یہاں 'قسم' لا کر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام قرآنِ مجید کی عظمت کا ایک 'زندہ' اور جیتا جاگتا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ اگر چہ اس پہلو سے انسانی طرزِ عمل اپنی جگہ ایک عبرت کا مقام ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اس کا شکوہ ہی کر رہے ہیں کہ اتنی بڑی حقیقت اور عظیم کتاب 'قرآنِ مجید' کو تم 'جھوٹا'

کہتے ہو اور تمہارا طرزِ عمل بتا رہا ہے کہ قرآنِ مجید سے متعلق تمہارا طرزِ عمل صرف یہ ہے کہ تم اس پر تبصرے کرو اور چٹکلے بیان کر کے اپنے دل کو جھوٹی تسلی دے لو۔ حالانکہ یہ کتاب ’اللہ کا کلام‘ ہے اور اس کی ناقدری تو صاحب کلام کے میزان میں بڑی بھاری شئے ہے اور اس پر مزید یہ کہ قرآن مجید کی ناقدری اپنی جگہ جرم ہے مگر جو انسانی گروہ اس جرم کا مرتکب ہے اور قرآنِ مجید کے ساتھ انکار اور تکذیب کو اپنا طرزِ عمل بنائے ہوئے ہے ــــــــ یہ سوچ، طرزِ فکر اور رویہ ہی ایسی تباہ کن شئے ہے جو انسان (یا جنوں) کو ہولناک انجام سے دوچار کر سکتا ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ فکر سے ہی انسان کا ’عمل‘ جنم لیتا ہے۔ قرآنِ مجید کی ناقدری ــــــــ قرآن مجید سے بے اعتنائی زندگی میں شیطانی اعمال کو جنم دے گی جس سے معاشرہ فساد سے بھر جائے گا۔ ناانصافی، ظلم، لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہو جائے گا۔ اعاذنا اللہ من ذالک

04۔ سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ ترتیب مصحف میں بھی قریب ہیں اور معنوی اعتبار سے بھی ’جوڑا‘ سورتیں ہیں۔ ان کے مضامین ایک دوسرے سے حد درجہ مشابہ بھی ہیں۔ البتہ ترتیب عکسی (MIRROR IMAGE) ہے۔ جو مضامین سورۃ الرحمٰن میں آغاز میں ہیں وہ سورۃ الواقعہ کے آخری حصے میں ہیں اور جو مضامین جو سورۃ الرحمٰن کے آخر میں ہیں وہ سورۃ الواقعہ کے آغاز میں ہیں۔ واللہ اعلم

سورۃ الرحمٰن کا آغاز بڑا پر جلال اور شاہانہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نام ’الرحمٰن‘ کے تذکرے کے بعد قرآنِ مجید کی عظمت کا بیان فرمایا ہے اور فرمایا کہ اس عظیم اور بابرکت کلام کے لئے انسان کو بھی ایک عظیم ’شئے‘ بنادیا ہے اور احسن تقویم پر پیدا کیا ہے۔ اس کو جسمانی اور روحانی ایسے قویٰ بخشے ہیں جو اس ’کلام اللہ‘ کو کما حقہٗ سمجھنے اور بیان کرنے کے لئے ناگزیر تھے۔ حقیقتاً انسان کہلانے اور عظیم مخلوق بلکہ اشرف الخلوقات ہونے کا مستحق وہی ہے جو اس کلام قرآنِ مجید کو سمجھنے، حرزِ جاں بنانے اور اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر کے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کے برعکس جو اس قرآنِ مجید سے منہ موڑ کر کوئی اور ’راستہ‘ اختیار کیے ہوئے ہے وہ اشرف الخلوقات اور بلند درجات کا طالب تو کیا ــــــــ ’انسان‘ کہلانے کا ہی مستحق نہیں ہے۔

05۔ ہر زبان کی ایک گرائمر یا کچھ اُصول ہوتے ہیں اور تمام دنیا کی زبانوں کے بنیادی

اُصول آپس میں ملتے جلتے ہی ہیں۔ عربی زبان میں 'قسم' آتی ہے تو اس کے ساتھ ایک 'جوابِ قسم' کا جملہ بھی آتا ہے۔ جیسے اللہ کی قسم زید بے گناہ ہے۔ اس جملے میں 'اللہ کی قسم' تو قسم ہے مگر یہ قسم کس نکتے اور بیان (STATEMENT) پر کھائی گئی ہے وہ بات...... 'جوابِ قسم' ہے۔

(اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ) بے شک یہ واقعی بزرگی والی کتاب ہے۔ درمیان میں قرآنِ مجید کے اپنے خاص انداز میں قسم کی اہمیت کو مزید اُجاگر کرنے کے لئے ایک اور جملہ آیا ہے۔ (وَاِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ) اور یہ قسم بہت بڑی (گواہی) ہے اگر تمہیں اسے جانو (یا جب تم جانو گے یا جب تمہیں اس کی سمجھ آجائے اور احساس پیدا ہو جائے) گویا 'مواقع النجوم' کو قرآنِ مجید کی عظمت اور بزرگی کی واضح دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

06۔ 'قسم' کے بارے میں یہ پہلو بھی سامنے رہنا ضروری ہے اور اس پہلو سے 'قسم' کی تاثیر اور سامع یا قاری پر 'جوابِ قسم' کے لحاظ سے مطلوبہ عظمت اور بزرگی کا ایسا شدید احساس جو اُسے POSSES کرلے یا دل سے یقین کرلینے کا خیال مسلّط ہو جائے، 'قسم' سے براہِ راست اور فوری متعلّق ہے اور بڑا اہم ہے۔ گفتگو میں جیسے 'مثال' کا معاملہ ہے کہ ایک آسانی سے سمجھ نہ آنے والی بات کو مثال کے ذریعے سامع کے سامنے بیان کردینا مشکل سے مشکل مسئلہ کو قابلِ فہم بنا دیتا ہے۔ مثال عام طور پر جانی پہچانی، عرفِ عام کی چیز کی ہوتی ہے جس کے ذریعے کوئی شخص اپنی مشکل بات کو سمجھا دیتا ہے اگر مثال بذاتِ خود کسی ایسی چیز کی دی جائے جو سامع کے علم اور مشاہدے سے باہر ہے اور اس کے لئے نامانوس ہے تو 'مثال' کے ذریعے بات سمجھانے کا عمل 'مؤثر' نہیں رہے گا اور 'افہام وتفہیم' کی ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ 'اچھی مثال' کی خوبی یہ ہے کہ وہ سامع کے ذہن سے قریب تر ہو، عام مشاہدے کی ہو، معروف ہو جس سے مطلوبہ بات کا فہم آسان ہو جائے۔ مثال دینے کی غرض وغایت ہی یہی ہے۔

اسی طرح 'قسم' کا معاملہ بھی ہے۔ 'جوابِ قسم' کا 'قضیہ' یا مسئلہ یا 'بیان' سامع کے لئے چونکا دینے والی بات نہیں ہے اور امکان ہے کہ اس 'بیان' کو 'وہ' توجہ اور اہمیت نہیں دے گا جو کلام کرنے والے کے نزدیک ناگزیر اور کلام کا تقاضا ہے۔ لہٰذا 'جوابِ قسم' کے گنجلک، مشکل اور بعید از فہم پہلوؤں کو واضح اور فوری طور پر ذہن نشین کرانے کے لئے 'قسم' کا سہارا دنیا بھر میں 'ادب' اور

تحریر وتقریر کا خاصہ ہے۔ لیکن جو بات اُصول موضوعہ کے طور پر ہے (یعنی انگریزی محاورے میں IT GOES WITHOUT SAYING) کہ 'مقسم بہٖ' یعنی جس چیز یا ہستی کی قسم کھائی جارہی ہے وہ ہستی یا چیز سامع کے لئے کوئی مبہم نہ ہو بالکل سامنے کی چیز ہو معروف ہو عام مشاہدے میں ہو اس طرح 'مقسم بہٖ' کی پہچان کی وجہ سے سامع فوراً 'جوابِ قسم' کے متعلق بظاہر عسیرالفہم پہلو کو آسانی سے اپنے ذہن کی گرفت میں لے آئے گا۔

قسم، مقسم بہٖ اور جوابِ قسم کے بارے میں جو گزارشات اُوپر آپ کے سامنے رکھی گئی ہیں وہ باتیں کسی تحریر کے بارے میں بھی اہم ہیں اور کلام اور تقریر یا خطاب کے بارے میں بھی۔ بلکہ ذرا غور کیا جائے اُوپر درج ناگزیر باتوں کی ضرورت کلام یا خطاب کے بارے میں اور زیادہ گہرائی اور گیرائی کی حامل ہے۔ کسی تحریر کو پڑھتے ہوئے اگر مثال یا قسم کے جملے کو ایک دفعہ پڑھنے سے سمجھ میں نہ آئے تو لامحالہ انسان اس جملے کو دوسری مرتبہ پڑھنے کی کوشش کرے گا اور رُک کر غور کرے گا اور ایک سنجیدہ قاری جو بات کو سمجھے بغیر آگے نہیں پڑھتا وہ اس غور وفکر پر کافی وقت بھی صرف کر سکتا ہے۔ جبکہ تقریر اور خطاب کے دوران سامع کے لئے کسی 'قسم، مقسم بہٖ اور جوابِ قسم کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے لئے وقت ہی نہیں ہوتا اس لئے کہ خطبہ دینے والا مسلسل خطاب کرتا چلا جارہا ہے اگر آپ روانی میں ہی (ایک سیکنڈ کے کسی حصے میں) بات کو سمجھ نہیں سکے تو اس کلام اور خطبے کی اثر آفرینی اور فصاحت وبلاغت پر ایک سوالیہ نشان لگ جائے گا اور ایسا خطبہ سامعین کے سروں کے اُوپر سے ہی گزر جائے گا۔

لہٰذا قسم اور مقسم بہٖ کا معروف اور مشاہدے کی چیز ہونا بہت ضروری ہے تاکہ سامع کو اس کے زیرِاثر 'جوابِ قسم کے مشکل' پہلوؤں کو معیّن کرنے میں کوئی اضافی وقت صرف نہ ہو بلکہ کلام کی روانی میں ہی اس کا ذہن بات کی ناگزیر گوشوں کو اپنی گرفت میں لے آئے۔

07۔ 'قسم' سے متعلق اُوپر درج تفاصیل عام انسانی کلام کے بارے میں ضروری ہیں اور کسی قادرالکلام شاعر خطیب یا مصنّف کو بھی ان اُمور کا حد درجہ خیال رکھنا چاہیے اور دنیا بھر کے مشہور مانے ہوئے ادیب اور شاعر ان اُمور کا خیال بھی رکھتے ہیں بلکہ یہی اُمور ہیں جن کا مکمل خیال رکھنے سے ہی کوئی شاعر اور خطیب عام شعراء اور خطباء سے نمایاں ہو کر آسمانِ شہرت کا ستارہ بنتا

ہے۔اس بات کی مثالوں سے اُردو اور عربی ادب کا دامن بھرا ہوا ہے۔

انسانوں کے کلام اور خالق ارض و سما اللہ تعالیٰ کے کلام کا فرق صاف ظاہر ہے۔عربی میں شعراء اور ادباء کے کلام اور بادشاہوں کے کلام کے فرق کو اس ضرب المثل سے واضح کیا گیا ہے۔'كلام الملوك ملوك الكلام' یعنی بادشاہوں کے بارے میں تو یہ دعویٰ کہ اس کے کلام میں 'مثال' اور 'قسموں' کا معاملہ ہر طرح کے محاسن سے مزین ہے اور 'عیوب' سے پاک ہے ایک 'تعلّی' اور کسی دوست اور قصیدہ گو کا تبصرہ بھی ہوسکتا ہے۔تاہم اللہ تعالیٰ کے کلام اور 'وحی' کے بارے میں (یا ارشاداتِ نبوی ﷺ کے بارے میں) یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ یہ کلام تمام اعلیٰ محاسن اور ناگزیر تقاضوں کو بدرجہ کمال پورا کرنے والا کلام ہے اور ہر طرح کے عیوب ونقائص سے پاک ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام (اور کلامِ نبوی ﷺ) عربی ادب کے اعتبار سے 'سند' کا درجہ رکھتے ہیں یہ کوئی مبالغہ کی بات نہیں ہے ایک صاف اور واضح حقیقت کا اعتراف ہے۔

08۔ سورۃ الواقعہ کی زیر بحث آیات میں 'مواقع النجوم' اور اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ مقسم بہ اور مقسم علیہ یا جوابِ قسم کے درمیان جو 'رموز' اور 'اسرار' پائے جاتے ہیں اس کا احساس اہل عرب کی نگاہوں کے سامنے جس درجے ہونا چاہیے اور ماحول کے عرف، مشاہدے اور تجربے کا حصہ ہونا چاہیے وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر قسم کے اسرار و رموز نیز اشاروں اور مشترک پہلوؤں کو 'مقسم بہٖ' کے طور پر پیش کر کے اس حقیقت کے نوشتۂ دیوار (WRITING ON THE WALL) ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

09۔ قسم کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں متکلم اپنے کلام میں قسم کو لا کر مقسم علیہ پر مقسم بہ کو بطور گواہ پیش کرتا ہے اور یہی گواہی سامع یا قاری کو کلام سے تاثیر قبول کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ عام انسانوں کی قسموں میں 'مقسم بہٖ' کو ایک مقدس اور سامع کے ذہن کے مطابق 'باعظمت شئے' کی حیثیت سے سامنے لایا جاتا ہے تاکہ سامع پر اس کی اثر آفرینی ہو۔اگر کسی بے وقعت چیز کی قسم کھائی جائے مثلاً اگر کوئی یوں کہے 'کوّے کی قسم کہ سودا کھرا ہے' تو اس قسم میں سودے کے کھرا ہونے پر جو کوّے کو گواہ بنایا گیا ہے قطع نظر اس کے کہ کوّے اور 'کھرے سودے' میں کیا تعلّق ہے فی نفسہٖ سامع پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا اس لئے کہ کوّا ایک بے وقعت بلکہ شریر پرندہ ہے۔انسانی

کلام میں قسم کے مؤثر ہونے کے لئے مقسم بہ ایک مقدس شیئ کا ہونا لازم ہے ہم مسلمان تو 'اللہ کی قسم' کھاتے ہیں گویا جس بات پر قسم کھائی جارہی ہے اس پر اللہ گواہ ہے 'اللہ کی قسم سودا کھرا ہے' اس قسم کا سامع' پر یقیناً اثر ہوگا غیر مسلم بھی اپنے مزعومہ برخود غلط عقائد کے مطابق بھی مقدس چیزوں اور ہستیوں ہی کی قسم کھاتے تھے اور آج بھی کھاتے ہیں۔

تاہم قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں والشّمس، والقمر، والفجر، والتّین، والزیتون وغیرہ تو چونکہ اللہ تعالیٰ صاحب کلام خود سب سے عظیم ہے اس لئے یہ بات سامنے رہے کہ ان قسموں میں تقدس کا پہلو نہیں ہے بلکہ صرف 'گواہی' کا پہلو ہے اور سامع پر اثر آفرینی کے لحاظ سے مؤثر عامل خود 'صاحب کلام' اللہ تعالیٰ کی عظمت و رفعت ہے کہ قسم کھانے والا کون ہے۔ گویا زیر بحث آیات کے حوالے سے 'مواقع النجوم' کو صرف 'مقسم علیہ' پر گواہی کے طور پر سامنے لایا گیا ہے یا بالفاظ دیگر قرآنِ پاک ایک عظیم الشان اور بلند مرتبت کلام ہے اور تم اس کا مشاہدہ نہیں کرتے کہ 'مواقع النجوم' تمہارے سامنے ہیں گویا دو صغریٰ کبریٰ جوڑ کر تم خود اس کلام کے مقدس اور آسمانی ہونے کے نتیجے تک پہنچ سکتے ہو۔

مختلف تفاسیر سے اقتباسات

10۔ آگے بڑھنے سے پہلے ہم یہاں چند تفاسیر سے مواقع النجوم سے متعلق آیات کا متعلقہ حصہ درج کررہے ہیں۔

تفسیر عثمانی

ترجمہ: ''سو میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے ڈوبنے کی، اور یہ قسم ہے اگر سمجھو تو بڑی قسم، بے شک یہ قرآن ہے عزت والا......''

فائدہ: اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں (موضح)۔ یا آیاتِ قرآن کے اُترنے کی آسمان سے زمین پر، آہستہ آہستہ، تھوڑی تھوڑی۔

تفہیم القرآن

ترجمہ: ’’پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے موقع کی، اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے، کہ یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے،......

فائدہ: تاروں اور سیاروں کے مواقع سے مراد ان کے مقامات، ان کی منزلیں اور ان کے مدار ہیں۔ اور قرآن کے بلند پایہ کتاب ہونے پر ان کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ عالم بالا میں اجرام فلکی کا نظام جیسا محکم اور مضبوط ہے ویسا ہی مضبوط اور محکم یہ کلام بھی ہے۔ جس خدا نے وہ نظام بنایا ہے اسی خدا نے یہ کلام بھی نازل کیا ہے۔ کائنات کی بے شمار کہکشانوں (Galaxies) اور ان کہکشانوں کے اندر بے حد وحساب تاروں (Stars) اور سیاروں (Planets) میں جو کمال درجہ کا ربط و نظم قائم ہے، درآنحالیکہ بظاہر وہ بالکل بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں، اسی طرح یہ کتاب بھی ایک کمال درجہ کا مربوط و منظّم ضابطہ حیات پیش کرتی ہے جس میں عقائد کی بنیاد پر اخلاق، عبادات، تہذیب وتمدن، معیشت و معاشرت، قانون و عدالت، صلح و جنگ، غرض انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مفصل ہدایات دی گئی ہیں، اور ان میں کوئی چیز کسی دوسری چیز سے بے جوڑ نہیں ہے، درآنحالیکہ یہ نظامِ فکر متفرق آیات اور مختلف مواقع پر دیے ہوئے خطبوں میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر جس طرح خدا کے باندھے ہوئے عالم بالا کا نظم اٹل ہے جس میں کبھی ذرّہ برابر فرق واقع نہیں ہوتا، اسی طرح اس کتاب میں بھی جو حقائق بیان کیے گئے ہیں جو ہدایات دی گئی ہیں وہ بھی اٹل ہیں، ان کا ایک شوشہ بھی اپنی جگہ سے ہلایا نہیں جاسکتا۔

تدبّرِ قرآن

ترجمہ: ’’پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کے ٹھکانوں کی! اور بے شک یہ ایک بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانو! بے شک یہ ایک باعزت قرآن ہے......‘‘

فائدہ:............’مواقع‘ جمع ہے ’موقع‘ کی جس کے معنی کسی چیز کے واقع ہونے یا گرنے کی جگہ کے ہیں۔ یہاں یہ ان ٹھکانوں یا کمین گاہوں کے لیے آیا ہے جن پر ان شیاطین کے تعاقب کے لیے شہابِ ثاقب پھینکے جاتے ہیں جو ملأ اعلیٰ کے بھید

معلوم کرنے کے لیے ان میں چھپ کر کان لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطینِ جن نے کچھ خاص کمین گاہیں ایسی منتخب کر رکھی تھیں جن میں وہ ملاءِ اعلیٰ کی باتوں کی سن گن لینے کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں وحی الٰہی کو شیاطین کی مداخلت سے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ اہتمام فرمایا کہ جو شیاطین ان کمین گاہوں میں بیٹھنے کی کوشش کرتے ان پر شہابِ ثاقب کے راکٹ پھینکے جاتے اس حقیقت کا اعتراف سورۂ جن میں خود جنوں کی زبان سے یوں نقل ہوا ہے

وَّ اَنَّـا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا O
وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا O

''اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو یہ پایا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور شہابوں سے بھر دیا گیا ہے اور یہ کہ ہم اس کے کچھ ٹھکانوں میں غیب کی باتیں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے لیکن اب جو کان لگانے کی کوشش کرے گا تو وہ ایک شہابِ ثاقب کو اپنی گھات میں پائے گا۔''

میرے نزدیک سورۂ جن کی اس آیت میں جن کمین گاہوں کو 'مقاعد' کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے انہی کو آیت زیرِ بحث میں 'مواقع' کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ البتہ 'مقاعد' میں ان کے کمین گاہ ہونے کا مفہوم پیشِ نظر ہے اور 'مواقع' میں شہابوں کے ہدف ہونے کا۔ لفظ نجوم یہاں شہابوں کے مفہوم میں ہے۔ سورۂ ملک میں فرمایا (اور ہم نے آسمانِ زیریں کو چراغوں سے سجایا اور ان کو شیطانوں کے سنگسار کرنے کے لیے بھی بنایا) ان شہابوں پر سورۂ نجم کی آیات 1-5 اور سورۂ رحمٰن کی آیت 35 کے تحت بھی بحث گزر چکی ہے ان دونوں مقامات پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ O یہ قسم اور مقسم علیہ کے درمیان ایک برمحل جملہ معترضہ ہے۔ فرمایا کہ جس طرح تم محض ہٹ دھرمی سے قرآن کو القائے شیطانی

قرار دیتے ہو اسی طرح اس قسم کے باب میں بھی کہو گے کہ بھلا شہابوں کے گرنے کو شیاطین کے رجم سے کیا تعلق! لیکن تم جان سکو تو یہ حقیقت تم پر آشکارا ہو گی کہ یہ قسم اپنے اندر ایک عظیم شہادت اس بات کی رکھتی ہے کہ جنات و شیاطین کو ملا اعلیٰ تک کوئی رسائی حاصل ہیں ہے، جیسا کہ کاہنوں کا دعوی ہے۔ اگر کوئی وہاں تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو قدرت نے اس کی سرکوبی کے لیے نہایت عظیم پیمانے پر انتظام کر رکھا ہے ممکن نہیں ہے کہ کوئی خدا کے شہابوں کی زد سے بچ کے نکل سکے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس کو جان سکو یا نہ جان سکو اور مانو یا نہ مانو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس قسم میں تمھاری آگاہی کے لیے اس کائنات کا ایک نہایت اہم راز بیان فرمایا ہے۔

بیان القرآن

(اور دلائل عقلیہ سے بعث یعنی مرکر زندہ ہونے کا امکان ثابت ہونے کے بعد قرآن سے جو اس کا وقوع ثابت ہے اور تم قرآن کو نہیں مانتے) **سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے** (اور قسم اس بات کی کھاتا ہوں) **کہ یہ** (قرآن جو پیغمبر ﷺ پر نازل ہوتا ہے بوجہ منزل من اللہ ہونے کے) **ایک مکرم قرآن ہے**......

معارف القرآن

مواقع، موقع کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں ستاروں کے غروب ہونے کی جگہ یا وقت، اس آیت میں ستاروں کی قسم کو غروب کے وقت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، جیسے سورۂ نجم میں بھی وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی میں بھی وقت غروب کی قید ہے، اس قید کی حکمت یہ ہے کہ غروب کے وقت ہر ستارے کے عمل کا اس افق سے انقطاع نظر آتا ہے اور اس کے آثار کی فنا کا مشاہدہ ہوتا ہے جس سے ان کا حادث اور قدرتِ الٰہیہ کا محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ضیاء القرآن

ترجمہ: پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں۔

فائدہ: مواقع موقع کی جمع ہے۔قتادہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات ہیں' کیونکہ ان کے غروب سے ہی اللہ تعالیٰ کی توحید اوران اجرامِ سماوی کے فانی ہونے کا ثبوت ملتا ہےاور قتادہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مواقع النجوم سے مراد ان کی منزلیں اوران کی مداریں ہیں۔ انھا منازلھا و مجاریھا ۔بعض علمانے مواقع النجوم کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ نجوم سے مراد صحابہؓ کرام اور مواقع سے مراد ان کی سجدہ گاہیں ہیں جہاں وہ اپنے رب کے حضور میں سربسجود رہا کرتے تھے۔بعض کے نزدیک مواقع سے مراد ان کی مزاراتِ پرانوار ہیں جہاں وہ جہادِاکبر یا جہادِ اصغر میں جامِ شہادت نوش کرنے کے بعد استراحت فرما ہیں۔ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں: او النجوم نجوم الصحابة و مواقها مساجدهم او مقابرهم ۔علامہ اسماعیل لکھتے ہیں وقیل النجوم الصحابة و العلماء الهادون ومواقعهم قبورهم (روح البیان)

ان تفسیری اقتباسات میں بالاتفاق یہاں قسم ہی مراد ہے اور بعض نے مقسم بہ کے تعیّن میں 'نجم ثاقب' ہی کو مراد لیا ہے جو آگ کے انگارے ان شیاطین کا پیچھا کرتے ہیں جو آسمانی وحی سے کچھ اُچک لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

مزید برآں جوابِ قسم کے طور قرآن مجید کی عظمت کے پہلوؤں کا بیان اپنی جگہ ایک موضوع ہے یعنی ناپاک اور شریر مخلوق اس قرآن مجید کے قریب بھی نہیں ہوسکتی بلکہ یہ کلام خداوندی تو ان پاک ہستیوں پر ہی اترتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے تھے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام۔ انبیاء کرام علیہم السلام جب اس قرآن مجید کو آگے پڑھ کر سناتے ہیں تو بھی اس کو صرف وہی قبول کرتے پڑھتے سمجھتے اور عمل کرتے ہیں جو پاک سیرت ہوں یا جن کی روحیں بیدار ہوں جن کے باطن روشن ہوں جن کے ضمیر روشن ہوں اوراس قرآن مجید کے لانے والے فرشتے اور جہاں سے یہ اتارا گیا ہے وہاں بھی پاک سیرت فرشتے ہی اس کو 'مس' کرتے ہیں۔

ستاروں سے مزین آسمان اور مواقع النجوم

11۔ قرآنِ مجید آیاتِ الٰہی پر غور وفکر کرنے کی پرزور دعوت دیتا ہے قرآنِ مجید کی آیات آیاتِ آفاقی اور آیاتِ انفسی کی کامل ہم آہنگی اور توافق وتوازن ایک منظّم اور پائیدار کائنات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جبکہ اس کائنات کے خالق وفاعل اللہ تعالیٰ کے اس 'فعل' میں اور اس اللہ تعالیٰ کے اس 'قول' کلامِ الٰہی میں کسی تضاد کا تصوّر بھی ممکن نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں اعلیٰ ترین ایمان کا تذکرہ سورۂ آلِ عمران (191-196) میں ہے کہ اسی ایمان کو شعوری ایمان سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآنِ مجید کئی مقامات پر انسان کو نگاہ اُٹھا کر آسمان میں اور روئے ارضی پر پھیلی چہار طرف اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ سورۂ قٓ میں ہے

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍO وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍO تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍO وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِO وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌO رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُO

''کیا اُنہوں نے اپنے اُوپر آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس کو کیونکر بنایا اور (کیونکر) سجایا اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں۔ اور زمین کو (دیکھو اسے) ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ رکھ دیے اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اُگائیں۔ تاکہ رجوع لانے والے بندے ہدایت اور نصیحت حاصل کریں۔ اور آسمان سے برکت والا پانی اُتارا اور اس سے باغ وبستان اُگائے اور کھیتی کا اناج۔ اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہ بہ تہ ہوتا ہے۔ (یہ سب کچھ) بندوں کو روزی دینے کے لئے (کیا ہے) اور اس (پانی) سے ہم نے شہرِ مردہ (یعنی زمین افتادہ) کو زندہ کیا (بس) اسی طرح (قیامت کے روز) نکل پڑنا ہے۔'' (50-6 تا 11)

سورۃ الملک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ O ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ

حَسِيرٌ O وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ O (67---3-5)

''کیا تو رحمٰن (اللہ) کی آفرینش میں کچھ نقص دیکھتا ہے؟ ذرا آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ (سہ بارہ) نظر کر تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور تھک کر لوٹ آئے گی۔ اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور ان کو شیطان کے مارنے کا ذریعہ بنایا اور ان کے لئے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

سورۃ النبا میں ارشاد ہے:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا O وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا O وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًاO وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا O وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا O وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا O وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا O وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًاO وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَاءً ثَجَّاجًاO لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًاO وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا O اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًاO(78-6 تا 17)

''کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو (اس کے) بوجھ (نہیں ٹھہرایا؟) (بے شک بنایا) اور تم کو جوڑا جوڑا بھی پیدا کیا اور نیند کو تمہارے لئے (موجب) آرام بنایا اور رات کو پردہ مقرر کیا اور دن کو معاش (کا وقت) قرار دیا اور تمہارے اُوپر سات مضبوط (آسمان بنائے) اور (آفتاب کا) روشن چراغ بنایا اور نچڑتے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا تا کہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں اور گھنے گھنے باغ۔ بے شک فیصلے کا دن مقرر ہے۔''

12۔ ان آفاقی اور دامن فلک کی نشانیوں میں سے اہم نشانی آسمان میں ستاروں کا وجود ہے۔ جنہیں قرآن میں 'مصابیح' یعنی چراغوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور زینت فلک بتایا گیا ہے ان 'مصابیح' میں حکمت خداوندی کا ایک اور پہلو بھی موجود ہے اس کا اشارۃً تذکرہ سورۂ حجر میں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ O وَحَفِظْنٰهَا مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍO اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌO

''اور ہم ہی نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے ان کو سجا دیا اور ہر شیطان راندۂ درگاہ سے اسے محفوظ کر دیا۔ ہاں اگر کوئی چوری سے سننا چاہے تو چمکتا ہوا انگارا اس کے پیچھے لپکتا ہے۔''(15-16 تا18)

سورۃ الصافات میں ارشادِ تعالیٰ ہے:

اِنَّـا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ نِ الْکَوَاکِبِO وَحِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ Oلَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍO دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ O اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌO فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍO (37-6 تا11)

''بے شک ہم ہی نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا اور ہر شیطان سرکش سے اس کی حفاظت کی۔ کہ اُوپر کی مجلس کی طرف کان نہ لگا سکیں اور ہر طرف سے (ان پر انگارے) پھینکے جاتے ہیں (یعنی وہاں سے) نکال دینے کو اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے۔ ہاں جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) چوری سے جھپٹ لینا چاہتا ہے تو جلتا ہوا انگارا اس کے پیچھے لگتا ہے۔ تو ان سے پوچھو کہ ان کا بنانا مشکل ہے یا جتنی خلقت ہم نے بنائی ہے ان کا؟ انہیں ہم نے چپکتے گارے سے بنایا ہے۔''

ان آیات میں 'مصابیح' کے ذریعے شیطانوں کے بھگانے کا ذکر ہے؟ یہاں سے ان 'مصابیح' میں سے ستارے ٹوٹنے کا انسانی مشاہدہ شامل ہوگیا اُوپر درج سورۃ الحجر اور سورۃ الصافات کے حوالہ جات میں یہ پہلو بہت واضح ہے۔

بعثت انبیاء کرام علیہم السلام

13۔ انسانوں اور جنوں کے تذکرہ سے پہلے یہاں اس بات کا تذکرہ بطور اپنی دینی فکر کی تازگی اور حقائق سے آگاہی کے لئے ضروری ہے۔ دنیا میں سب سے اہم اور چوٹی کی مخلوقات

فرشتے جن اور انسان ہیں۔ فرشتے 'نور' سے تخلیق کئے گئے ہیں اور بہت لطیف مخلوق ہے زمین وآسمان کے فاصلے ان کے لئے کوئی رُکاوٹ نہیں ان کے لئے وقت کا عنصر نہیں ہے یعنی آسمان اور زمین پر آنے جانے میں وقت نہیں لگتا۔ ان میں 'اختیار' نہیں ہے اور یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ کے ساتھ لَا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمۡ کے پابند ہیں اسی لئے ان کے لئے کوئی سزا و جزا یا جنت و دوزخ کا تصور بھی نہیں ہے۔

دوسری اہم مخلوق جنّ ہیں۔ یہ انسان سے پہلے آگ سے پیدا کیے گئے ہیں (آگ نہیں ہیں) جنّ انسانوں کی طرح با اختیار مخلوق ہے سورۃ الرحمٰن میں ان کا قدرے تفصیل سے ذکر ہے اور آیت "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" میں تثنیہ کا جو صیغہ آیا ہے اس سے انسان اور جن دونوں کو بار بار مخاطب کیا گیا۔ ان کے لئے جنت بھی ہے دوزخ بھی ہے۔ جنوں میں اچھے بھی ہیں اور بُرے (یعنی شریر) بھی۔

تیسری مخلوق اور سب سے اہم اور اشرف المخلوقات انسان ہے انسانی جسم مٹی سے پیدا کیا ہے اور اس میں روح ربانی ڈالی گئی ہے جس سے یہ اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل کر گیا ہے۔ انسانوں میں پیغمبر آئے ہیں ان سے بعض نبی اور بعض رسول علیہم السلام تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور رسول ہیں۔

قرآنِ مجید سے جو بات واضح ہوتی ہے اور جو اُمت کا عقیدہ ہے کہ نبوت و رسالت صرف انسانوں کا مقدّر ہی ہے اور جو انبیاء ورسل انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے وہی 'جنوں' کی طرف بھی ہدایت لے کر آئے تھے۔ ہم اس بات پر اُصولی طور پر ایمان رکھتے ہیں تفصیلات کا یہ موقع بھی نہیں ہے اور ہم اس کے زیادہ مکلّف بھی نہیں ہیں۔

14۔ اس حقیقت کا تذکرہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترنے والا کلامِ الٰہی قرآنِ مجید جنوں کے لئے بھی تھا ـــــــ سورۃ الاحقاف میں آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذۡ صَرَفۡنَآ اِلَیۡکَ نَفَرًا مِّنَ الۡجِنِّ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوۡہُ قَالُوۡٓا اَنۡصِتُوۡا فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوۡا اِلٰی قَوۡمِہِمۡ مُّنۡذِرِیۡنَ O قَالُوۡا یٰقَوۡمَنَآ اِنَّا سَمِعۡنَا کِتٰبًا اُنۡزِلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ یَہۡدِیۡۤ اِلَی

الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ O یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْلَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ O وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءُ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ O (46---29-32)

''اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص تمہاری طرف متوجہ کیے کہ قرآن سنیں تو جب وہ اس کے پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ جب (پڑھنا) تمام ہوا تو اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ (ان کو) نصیحت کریں۔ کہنے لگے کہ اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل ہوئی ہے جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے (اور) سچا (دین) اور سیدھا راستہ بتاتی ہے۔ اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں دکھ دینے والے عذاب سے پناہ میں رکھے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے گا تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے سوا اس کے حمایتی ہوں گے۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو ایک صلاحیت میں کمی کر دیتا ہے تو کسی دوسری صلاحیت میں اسی نسبت سے اضافہ کر دیتا ہے نابینا آدمی بظاہر بصارت سے محروم ہوتا ہے مگر دیگر صلاحیتوں (از قسم سننا، چھونا اور یادداشت) کے اعتبار سے بہت آگے کہ اللہ اللہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بعض نابینا حضرات کو عرصے بعد ملیں اور بولے بغیر ہاتھ ملائیں تو ہاتھ کے لمس سے وہ آپ کو پہچان جائیں گے۔ جنوں کو اگر اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت و رسالت سے حصہ نہیں بخشا تو قبولِ حق میں ایسا وافر حصہ دیا ہے کہ اُوپر درج سورۂ احقاف کی آیات کے مطابق (سفر طائف کی واپسی پر مسجد جن میں) آپ ﷺ رات کو قرآن مجید تلاوت فرما رہے تھے جسے جنوں نے سنا اور ایمان لے آئے۔ قبولِ حق کا یہ داعیہ انسانوں میں بہت کم ہے۔

15۔ ہمارے پیغمبر سیدنا محمد ﷺ پر نزولِ وحی کے وقت آسمان سے جب جبریل امین (علیہ السلام)

اُترتے تھے (اور دیگر مواقع پر احکامِ الٰہی لانے والے فرشتوں کے موقع پر بھی) آسمان کے پار آنے جانے والے راستوں (ابواب السماء) پر سخت پہرہ بٹھایا جاتا تھا اور سخت حفاظت میں 'وحی' کے نزول کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ عام دنوں میں 'جن' آسمان میں دور تک 'طاقت پرواز' رکھنے کی وجہ سے ان راستوں پر بیٹھتے ہیں اور کبھی کبھی سن گن لیتے ہیں جسے وہ آ کر اپنے انسان دوستوں کو 'غیب' بتاتے ہیں تا کہ ان کا کاروبار چلتا رہے۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَ قَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (06---128)

''اور جس دن وہ سب (جن وانس) کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہ جنات تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کیے تو جو انسانوں میں ان کے دوست ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے۔ اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا۔ اللہ فرمائے گا (اب) تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے ہمیشہ اس میں جلتے رہو گے مگر جو اللہ چاہے۔ بے شک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے۔''

عام حالات کے برعکس اہم احکام کے اُترتے وقت مزید سخت اقدامات ہوتے ہیں اور 'نزولِ قرآن' کے وقت تو معاملہ HIGH ALERT ہوتا تھا۔ اس بات کا ذکر قرآنِ پاک میں سورۂ جن میں آیا ہے۔ جنوں کو نزولِ وحی کے وقت راستوں سے بہت دور تک بھگا دینا_____ شہابِ ثاقب کے ذریعے ہی ہوتا تھا۔ اور یہ انسانی مشاہدہ کی بات ہے شہابِ ثاقب کا گرنا یا ستارے کا ٹوٹنا اور ٹوٹتے ہوئے کا انسانی نگاہوں میں آ جانا یہ تجربہ زندگی میں کبھی نہ کبھی ہر انسان کو ہوتا ہے۔ تاہم جس اہتمام سے نزولِ قرآن کے مکی دور میں ہوتا رہا ہے اس کی مثال تاریخ انسانی میں ملنا مشکل ہے۔ اس بات کا وضاحت کے ساتھ تذکرہ سورۃ الجن میں آیا ہے۔

آپ ﷺ پر نزولِ وحی کے سلسلے میں خصوصی سیکورٹی کا اہتمام اور آسمان سے زمین

تک HIGH ALERT صورتحال (تا کہ شیاطین جن وانس کی دست برد سے محفوظ رہے) کا ذکر سورۃ الجن میں یوں وارد ہے

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًاO عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا O اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًاO

"کہہ دو کہ جس (دن) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے میں نہیں جانتا کہ وہ (عن) قریب (آنے والا) ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز کردی ہے۔ (وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس کو (غیب کی باتیں بتا دیتا اور اس) کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔ تا کہ معلوم فرمائے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیے ہیں اور (یوں تو) اس نے ان کی سب چیزوں کو ہر طرف سے قابو کر رکھا ہے اور ایک ایک چیز گن رکھی ہے۔" (72---25-28)

سخت پہرے اور بے مثال اور ماضی سے ہٹ کر سخت حفاظتی تدابیر کا بیان............جنوں کی زبان سے یوں آیا ہے۔

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا O وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا O وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا O (72---08-10)

"اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا اور یہ کہ پہلے ہم وہاں بہت مقامات میں (خبریں) سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لیے انگارہ تیار پائے اور یہ کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس سے اہل زمین کے حق میں برائی مقصود ہے یا ان کے پروردگار نے ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔"

گویا جن سخت پہرے کی صورتِ حال پر پریشان تھے کہ ایسا پہلے نہ کبھی دیکھا نہ سنا ـــــــ نہ معلوم کیا امر واقعہ ہے یا تو قیامت آنے والی ہے اور یا کوئی خیر کی خبر اللہ تعالیٰ انسانیت کے لئے بھیجنے والا ہے۔ یہ کیفیت جنوں کے بیان کے مطابق ایک عرصے تک زمین سے آسمان تک طاری رہی۔ یہ بالکل اس طرح کی مثال ہے جیسے کسی شہر میں صبح کے وقت لوگ سیر کو جاتے ہیں۔ وہ دیکھیں کہ خوب صفائیاں ہیں چھڑکاؤ ہیں ہر طرف پولیس اور فوج کے جوان چاک و چوبند کھڑے ہیں راستے بنائے گئے ہیں اور سرکاری اہل کار ڈیوٹیوں کے لئے سرگرم ہیں عام لوگوں کو روکا جارہا ہے قریب نہیں جانے دیا جارہا ہے۔ آپس میں سوال ہوگا یہ کیا ہے؟ یہ کیوں ہے؟ کچھ دیر بعد پتہ چلے گا کہ ملک کی کوئی اہم شخصیت VIP یہاں آنے والی ہے۔

اس کے قریب صورتِ حال نزولِ وحی کے وقت آسمان سے مکہ تک طاری رہی ہے جسے 'جن' اپنے انداز میں حیرانی اور حیرت سے تعبیر کر رہے ہیں۔ واللہ اعلم

مَوَاقِعُ النُّجُوم ـــــ شہابِ ثاقب کا گرنا

16۔ یہاں آکر قارئین مواقع النجوم کا مفہوم سمجھ سکیں گے وَقَعَ یَقَعُ بمعنی گرنا۔ اسی سے 'موقع' گرنے کی جگہ 'مواقع' اس کی جمع ہے۔ 'نجم' ستارہ 'النجم الثاقب' سورۃ الطارق میں بیان ہوتا ہے۔ نجوم اسی کی جمع ہے۔ اور مواقع النجوم کا مفہوم یہ سامنے آیا کہ آسمان پر شہابِ ثاقب گرتے ہیں ان کے گرنے کی جگہ (مواقع النجوم) ہیں اللہ تعالیٰ اسی عمل کو اہل عرب کے سامنے بطور گواہ لارہے ہیں کہ غور کرو کہ ایسا کیوں ہے؟ یہ عمل معلوم سے قاری و سامع کے ذہن کو نامعلوم کی طرف اور مشہود سے غیب کی طرف منعطف کرنے کی اہم مثال ہے۔ اساتذہ اور معلّمین اپنے اصاغر اور شاگردوں کو عملاً کثرت سے اس صورت حال سے گزارتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حُسنِ استدلال

17۔ ایک انسان کو اگر کسی چیز کا ادراک نہ ہو اور وہ چیز دکھا بھی دی جائے تو اس کی قدر و منزلت کا اندازہ نہیں کرے گا اور اگر حسن تدبیر سے پہلے اُسی چیز کی اہمیت افادیت اور ضرورت کا احساس دلایا جائے اس کی عظمت اُجاگر کی جائے تاکہ جب وہ سامنے آجائے اور بعد ازاں وہ شئے مل جانے کی اُمید ہو تو انسان اس کی قدر کرے گا اور اس کے حصول کا آرزومند رہے گا۔

اللہ تعالیٰ 'جمیل' ہے اور حسن و کمال کی تمام صفات سے بدرجہ اتم متصف ہے۔ اہل عرب کے مشاہدے میں تھا کہ ستارے ٹوٹتے ہیں شہابِ ثاقب کیا ہوتا ہے یہ الفاظ لغت عرب کے ہی ہیں کوئی انوکھے نہیں ہیں۔ مگر اس کی تاویلات پہلے جاہلیت کی بنیاد پر ہوں گی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے شہابِ ثاقب کی حقیقت بیان فرمائی اس سے متعلق قرآن میں وضاحت فرمائی۔ پھر اس کی وجہ اور ضرورت کا احساس دلایا گیا پھر نزول قرآن مجید کے ساتھ جوڑ دیا گیا اور بین السطور یہ بات موجود ہے کہ پہلے ایسے واقعات شاذ اور کم ہوتے تھے دیکھو! جب سے حضرت محمد ﷺ پر نزولِ وحی کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔ یہ شہابِ ثاقب کثرت سے گرتے ہیں کبھی سوچا کہ یہ کیوں ہے؟۔ یہ حسن استدلال کی باریکیاں اللہ تعالیٰ ہی کے شایانِ شان ہیں اور اسی کے 'تدبیر امر' کا حصہ ہیں۔

18۔ مواقع النجوم کے ساتھ 'ب' کا صلہ لا کر 'اُقسِمُ' کا صیغہ جوڑ کر مواقع النجوم کو اور زیادہ نمایاں اور نگاہوں کا مرکز بنا دیا گیا ہے یعنی یہ تفہیم کے لئے استعمال ہوا ہے (واللہ اعلم)

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِO

مجھے نجوم (ثاقب) کے گرنے (کے وقت اور جگہ) کی قسم

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌO

اور اگر تم سمجھو تو یہ (بہت) بڑی قسم (گواہی) ہے

اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌO

کہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے

فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍO

(جو خاص اہتمام سے) محفوظ کتاب میں (سے) ہے (اور اتارا جا رہا ہے)

لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَO

اس کو (اتار کر لانے میں) صرف وہی مس کرتے ہیں جو پاک ہیں

تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَO (56:75-80)

(یہ اتارنا) پروردگارِ عالم کی طرف سے اُتارنا ہے

مواقع النجوم کے دو مفہوم

19۔ قرآنِ مجید آج سے ساڑھے چودہ صدیاں پہلے نازل ہوا اس وقت کا ایک علمی اور ادبی ماحول تھا۔ تجرباتی علوم اور اجتماعی معاملات ایک خاص سطح پر تھے۔ پھر جزیرہ نمائے عرب معروف شہنشاہتوں اور دارالحکومتوں سے الگ تھا۔ قرآن مجید کے الفاظ معانی اور کائناتی تصور کے ایک خاص معانی سمجھے گئے اور کوئی لفظ ایسا نہ تھا جو شارع علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ چونکہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے رہنمائی ہے لہٰذا ابھی یہ بات سمجھ نہیں آئے گی یہ بعد والوں کی سمجھ میں آئے گی۔

قرآنِ مجید کے معجز نما کلام ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اس کے کلمات اور جملوں کی بناوٹ میں عربوں کی طرح آج کے علمی ادبی ماحول کے مطابق بھی ہدایت موجود ہے۔ سائنسی ترقی، صنعتی ترقی اور تجرباتی علوم کی رفعتوں کے باوجود قرآن مجید کے بیانات اپنی جگہ اٹل ہیں بلکہ اکثر پہلے سے زیادہ واضح ہیں۔ چاند کو 'روشن' اور سورج کو 'سراج' فرمانا چودہ صدیاں پہلے کس طرح سمجھا گیا آج جس قدر واضح اور حقیقت کے مطابق ہے وہ بیان اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے۔ اسی طرح 'مواقع النجوم' کا ایک مفہوم تھا جو عربوں نے سمجھا۔ میں کلامِ عرب سے زیادہ واقف نہیں یقیناً نزولِ وحی کے آغاز سے ہجرت تک کے کلامِ عرب میں اس کا تذکرہ اقتضائے وحی ہے (اگر کسی دوست نما دشمن نے غائب نہیں کر دیا تو الگ بات ہے) اس لئے کہ یہ عام مشاہدہ کی بات تھی جسے قرآن مجید نے دلیل بنایا ہے مگر آج ہمارے تمام تر خلوص کے باوجود ہم مواقع النجوم کے اس مفہوم کے عینی شاہد نہیں ہیں۔ کلامِ الٰہی ہونے کے ناطے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قسم کے مفہوم میں گواہی کا پہلو آج ہمارے لئے از روئے ایمان ہے۔

آج 'مواقع النجوم' کا ایک اور مفہوم دورِ حاضر کے مترجمین اور شارحین نے علومِ فلکیات کے ایک تصور BLACK HOLES سے جوڑ دیا ہے۔ یہ اب علماء دین ہی وقت کے ساتھ اس کی تائید کریں گے اور شاید آنیوالے مستقبل قریب میں اسی پر دورِ حاضر کا اجماع ہو جائے۔

قرآن مجید کے مفاہیم کا دورِ نبوت ﷺ اور دورِ حاضر میں دو الگ الگ پہلو سے وضاحت کیا جانا ایسے ہی ہے جو سورۂ ابراہیم (14) میں مثال آئی ہے ﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِى السَّمَاءِ﴾ اس کی جڑ (بنیاد عرب معاشرے میں کھڑی ہوئی تھی) اور اس کی شاخیں (بعد کے ادوار کے تجرباتی علوم کے مفاہیم) درختوں کی شاخوں کی طرح فضا میں بہار دکھا رہے ہیں۔ یہ

قرآنِ پاک ہی کا معجزہ ہے کہ عرب کے شعراء کو بھی مرعوب کر گیا جیسے حضرت لبید اور دورِ حاضر کے مغربی علوم سے فیض یافتہ انسان حضرت علامہ اقبال کو بھی۔ یہ شان صرف کلام الٰہی کی ہے کسی انسانی کلام کا خاصہ نہیں ہوسکتا۔

20۔ گزشتہ کئی ہفتوں میں اس موضوع 'مواقع النجوم' پر غور کرتے ہوئے مجھے حضرت ابن عربی رحمہ اللہ کے تذکرہ میں اُن کی کتابوں کی فہرست نظر سے گزری (پہلے بھی کئی دفعہ سرسری دیکھی ہوگی) مگر اس دفعہ مجھے اس میں ایک عنوان 'مواقع النجوم' نظر آ گیا۔ محسوس ہوا کہ اس موضوع پر کچھ مواد میسّر بھی آئے گا اور سوچ اور فکر کے نئے زاویے بھی کھلیں گے۔ یہ کتاب عربی میں ہے۔ پاکستان میں اس کے ماخذ اور لائبریریاں تلاش کرنا شروع کیں بالآخر ایک جگہ سے اوائل مئی 2012ء میں اس کی فوٹو کاپی قابل احترام دوست حافظ مختار احمد گوندل کی وساطت سے مل گئی۔ کتاب دیکھنے پر معلوم ہوا کہ شیخ اکبر نے اس عنوان سے کچھ اور مباحث پر گفتگو فرمائی ہے جس نقطہ نظر سے عاجز سوچ رہا تھا اس سے دامن اُمید بارآور نہ ہوسکا۔ اللہ کو منظور یہی تھا۔ راقم نے اپنے خیالات صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ان خیالات میں کوئی خیر ہے تو اسے عام فرما دے آمین اور (اللہ کی پناہ) کوئی شر مضمر ہے تو اس سے عاجز سمیت سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

حاصل کلام یہ ہے کہ دورِ حاضر کے مروّجہ تجرباتی علوم کی روشنی میں 'مواقع النجوم' کا جو مفہوم بھی سامنے آئے اور جسے علمائے حقانی کی تائید حاصل ہوجائے وہ قابل قدر ہے اور اشاعت القرآن کی خدمت کا ایک میدان ہے۔ تاہم ہمیں ﴿وَّ فَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ﴾ کے ساتھ ساتھ ﴿اَصۡلُهَا ثَابِت﴾ کے مصداق ـــــــ ان الفاظ کا مفہوم جو آپ ﷺ پر نزول وحی کے مکی دور میں سامنے تھا اُسے کسی طور پر نگاہوں سے اُوجھل نہیں ہونے دینا چاہیے۔

اللهم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابه

آمین یارب العالمین

علامہ اقبال کی معرکہ آرا دو نظموں

شکوہ اور جوابِ شکوہ

کی صد سالہ یادگاری نشست

19 اپریل 2012ء قرآن اکیڈمی جھنگ

مفکّر پاکستان حضرت علامہ اقبال اور معمارِ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے احسانوں کا پاکستان میں بسنے والا کون مسلمان ہوگا جو (اس بارگران کو محسوس کر کے) ان شخصیات کے لئے اپنے دل میں سپاس کے جذبات نہ رکھتا ہو۔ (اِلاّ یہ کہ کسی کی شخصیت ہی مسخ ہو جائے اور وہ شکرگزاری اور احسانمندی کے جذبات سے تہی دامن ہو جائے پھر الگ بات ہے)۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قیامِ پاکستان کے لئے ایک تحریک کا اُٹھنا، اس کے لئے ایک زوردار نظریہ ــــــ نظریۂ پاکستان کا سامنے آنا بذاتِ خود ایک معرکہ خیز کیفیت کا نام ہے۔ یہ نظریہ ــــــ جو نظریۂ پاکستان کہلایا وہ ’دوقومی نظریۂ‘ تھا یعنی ’مسلمان‘ ایک الگ قوم ہیں اور غیر مسلم ایک الگ قوم ہیں۔ لہٰذا یہ بات نوشتۂ دیوار ہے (اور اس کے لئے کسی ثبوت اور استشہاد کی ضرورت نہیں ہے) کہ دوقومی نظریہ، نظریۂ پاکستان، مفکر پاکستان اور بانیٔ پاکستان کی شخصیات ــــــ برطانوی ہند کے سامراج اور اس قضیئے کے دوسرے فریق ہندو (یا غیر مسلموں) کو کبھی پسند نہیں آ سکتا اور نہ ہی اس تاریخی حقیقت کو وہ کبھی ٹھنڈے پیٹوں ہضم کر سکتے ہیں۔

اس پر مستزاد یہ حقیقت ہے کہ یہ دور میڈیا کا دور ہے اور امریکہ اور ہمارے بعض دیگر دوست نما دشمن پاکستان کے عوام کے ذہنوں میں ہر وقت انہی خیالات کا زبردستی پرچار (HAMMER) کرتے رہتے ہیں۔ نتیجتاً آج پاکستان کے دانشور، ادیب، جدید تعلیم یافتہ طبقات ان خیالات سے اثر قبول کر رہے ہیں۔ اس صورتِ حال کی ایک تیسری سمت (THIRD DIMENSION) یہ ہے کہ پاکستان کے انہی دوست نما دشمنوں کی سازشوں سے ہمارے نظامِ

تعلیم سے نظریۂ پاکستان، علامہ اقبال اور تحریک پاکستان کی دیگر اہم شخصیات کا مثبت مسلم نظریاتی کردار کا نقشہ (IMAGE) نہ صرف مسخ کر دیا گیا ہے بلکہ اس کو تقریباً ختم کر دیا گیا ہے۔ آج کے ہمارے حکمران چونکہ انہیں مغربی قوتوں کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور حکومت میں ہوں یا آئندہ باری کے انتظار میں ہوں آج ان نظریاتی بنیادوں کے منہدم ہونے کو اپنی نظروں سے دیکھ بھی رہے ہیں اور لگتا ایسے ہے کہ کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ آج مغرب کے نزدیک علامہ اقبال بھی ایک 'دہشت گرد' کے ضمن میں آ چکا ہے کہ وہ اسلام کے فروغ اور نظامِ خلافت کی بات کرتا ہے۔ اس کا نظریۂ اسلام عالمی غلبہ چاہتا ہے ــــــــــ وہ کہتا ہے کہ

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا   مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

یہ بات آج کے مغرب کو بھی ہضم نہیں ہو سکتی۔

اس ساری دی گئی تفصیل سے عملاً ہمارے معاشرے اور نئی نسل میں پاکستان کے بارے میں مایوسیاں پھیل رہی ہیں اور لوگوں میں اس ملک کے مستقبل کے بارے میں خدشات جنم لے رہے ہیں۔ قرآن اکیڈمی جھنگ میں اس پس منظر میں نوجوان نسل اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کو تحریک پاکستان کے پیچھے اصل عوامل اور ملی و دینی جذبہ سے روشناس کرانے کے لئے شکوہ اور جوابِ شکوہ نظموں کو تحت اللفظ پڑھ کر سنانے کی ایک تقریب منعقد کی گئی۔

شکوہ نظم جولائی 1911ء میں پڑھی گئی اور جوابِ شکوہ ستمبر 1913ء میں پڑھا گیا۔ لہٰذا اس نشست کو صد سالہ یادگاری نشست کا نام دیا گیا۔ اس نشست کے لیے انجمن حمایت اسلام لاہور (جس کے سالانہ جلسوں میں یہ نظمیں علامہ اقبال نے پڑھی تھیں) کے صدر جسٹس (ر) منظور حسین سیال صاحب کو صدارت کے لئے موزوں پا کر درخواست کی تھی جسے اُنہوں نے قبول فرما لیا۔ اگرچہ عین موقع پر وہ تشریف نہ لا سکے اور ان کا پیغام اس نشست میں لوگوں تک پہنچایا گیا۔

اس موقع پر مقامی اخبارات میں اشتہارات کے ساتھ ساتھ ہینڈ بل بھی تقسیم کیے گئے۔ اس اطلاع نامے کا عکس بھی اس اشاعت میں شامل کیا جا رہا ہے۔

بسمہٖ تعالیٰ   مکرمی.............................. السلام علیکم ورحمة الله

مصور پاکستان علامہ محمد اقبال کے نام سے کون شخص ہوگا جو واقف نہیں، علیحدہ وطن کے مطالبے اور تحریک پاکستان کے لیے جو جذبہ کارفرما تھا وہ ان کی شاعری نے ہی فراہم کیا تھا اور ناتواں غلام مسلمان قوم کو عظیم برطانوی سامراجی طاقت سے لڑا دیا تھا جبکہ ہندو بھی سامراج کا حمایتی تھا۔ علامہ اقبال کی شاعری میں شکوہ اور جواب شکوہ کو ایک کلیدی مقام حاصل ہے، شکوہ جولائی 1911ء اور جوابِ شکوہ ستمبر 1913ء کو اب ایک صدی بیت رہی ہے۔ مذہب اور دین کی بنیاد پر دو قومی نظریہ کی جتنی آج ضرورت ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ علامہ اقبال کی یہ مشہور نظمیں پڑھ کر سنانے کا اہتمام کیا گیا ہے اور مہمانانِ گرامی بھی خطاب فرمائیں گے۔ حسب پروگرام شریک ہو کر شکریہ کا موقع بخشیں۔

29 /اپریل 2012ء　　دن اتوار　　وقت 10.00 تا 1.00 بجے

مقررین حضرات:

جسٹس (ریٹائر) منظور حسین سیال صدر انجمن حمایت اسلام لاہور۔

حافظ مختار احمد گوندل ریٹائر چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ پروفیسر حسن محمود اقبال جھنگ۔ شیخ محمد سلیم فیصل آباد

☆ یہ صد سالہ یادگاری نشست حسب پروگرام 10 بجے قرآن اکیڈمی جھنگ میں منعقد ہوئی حاضری تقریباً 100 افراد تھے۔ سارے شرکاء، پروفیسرز، وکلاء، تعلیم یافتہ اور طالب علم تھے۔

☆ قرآن اکیڈمی جھنگ کے بانی اور انجمن خدام القرآن جھنگ کے صدر انجینئر مختار فاروقی صاحب نے نقابت کے فرائض بنفس نفیس انجام دیے۔ تلاوتِ کلامِ پاک سے نشست کا آغاز ہوا، جس کی سعادت مفتی عطاء الرحمٰن صاحب نے حاصل کی۔

☆ مختار فاروقی صاحب نے اس نشست کا پس منظر بیان کیا اور نعت رسولِ مقبول ﷺ کے لیے جناب شیخ سلیم کو دعوت دی۔ اُنہوں نے اس محفل کی مناسبت سے علامہ اقبال کے کلام کے نعتیہ اشعار ''لوح بھی تو قلم بھی تو'' کو وجد آفرین انداز میں پڑھ کر سنایا تو محفل پر رقت طاری ہوگئی۔

☆ مختار فاروقی صاحب نے اس کے بعد شکوہ و جوابِ شکوہ کے بارے میں مزید تفصیلات بتائیں اور آج کی نشست کی اہمیت کو اُجاگر کیا۔ اس طرح حاضرین گویا اب ان تاریخی نظموں کو سننے کے لئے بے تاب نظر آتے تھے۔ جناب سلیم شیخ صاحب اچھی آواز میں کلام اقبال پڑھتے ہیں ان کو خاص طور پر فیصل آباد سے دعوت دی گئی تھی۔ وہ تشریف لائے اور اپنے مخصوص انداز میں شکوہ نظم کا آغاز فرمایا۔ حاضرین کے شدت احساس کے پیش نظر سلیم شیخ ہر شعر کو دو مرتبہ پڑھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں حاضرین کا جوش اور جذبہ دیدنی تھا چونکہ تمام شرکاء کو ان دونوں نظموں کا متن فراہم کیا گیا (جو اس موقع کے لئے خصوصی طور پر تیار کیا گیا تھا) لہٰذا شرکاء نے جذباتی انداز میں سلیم شیخ کے ساتھ نظموں کو پڑھنا شروع کر دیا جب دوسری مرتبہ شعر پڑھا جاتا تو حاضرین بآواز

بلند وہ شعر ساتھ اُسی طرح ادا کرتے، جس سے حاضرین کے جذبات کو مزید گرما دیا۔ بعض حضرات پر اس موقع پر ان نظموں کے الفاظ کی وجہ سے رقت طاری تھی اور بعض کی آواز گلوگیر تھی اور بعض حضرات واقعتاً اپنے آنسوں سے ہی صاحب کلام کو داد دے رہے تھے۔

شکوہ نظم ختم ہوئی ـــــــــ تو سلیم شیخ صاحب کو ذرا وقفہ درکار تھا۔ اس موقع پر حافظ مختار احمد گوندل صاحب (سابق ڈپٹی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی) نے ان نظموں کا پس منظر بیان فرمایا جو اس اشاعت میں شامل ہے۔ حافظ مختار صاحب کی ان تصریحات سے حاضرین کے سامنے ایک صدی قبل کے حالات کی پوری تصویر آ گئی، حافظ صاحب نے صدر مجلس جناب جسٹس (ر) منظور حسین سیال صاحب کا پیغام لوگوں کو بتایا۔

☆ جناب سلیم شیخ صاحب کو دوبارہ 'جوابِ شکوہ' کے لیے بلایا گیا تو سلیم شیخ بھی جذباتی ہو رہے تھے اور حاضرین بھی مسلمانوں کے عظیم ماضی اور تحریک پاکستان کے وقت کے جذبے کا عکس اپنے اندر محسوس کر رہے تھے۔ حاضرین نے سلیم شیخ صاحب کے ساتھ آواز ملا کر جوابِ شکوہ پڑھا اور محفل کو گرما دیا۔ نیز .... اہل علم اور اہل دل اس محفل میں 'دیدۂ نم' اور شدت احساس کے ساتھ علامہ اقبال کی عظمت کا اعتراف کر رہے تھے۔

جناب سلیم شیخ صاحب نے نظم ختم کی تو مہمانِ خصوصی پروفیسر حسن محمود اقبال پرنسپل (ر) کو دعوت خطاب دی گئی، انہوں نے کمالِ مہارت سے علامہ اقبال کی ان نظموں کے تاریخی، ملّی اور تحریکی پہلوؤں کو واضح فرمایا اور مسلمانوں کے شاندار ماضی کے ان تذکروں کے ساتھ علامہ اقبال نے جس طرح مسلمانوں کو مستقبل کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا اور ان کی ادائیگی کے لیے کمر بستہ ہونے پر زور دیا، وہ سبق حاضرین کے سامنے رکھا۔ اختتام پر حاضرین کی تواضع کی گئی اور تقریباً 12.50 بجے یہ نشست اختتام پذیر ہوئی۔ بعض حضرات نے نمازِ ظہر اکیڈمی میں (1.15 بجے) ادا کی اور بعض نے اپنے ہاں جا کر پڑھنے کو ترجیح دی۔ سب حاضرین کو اکیڈمی کے کارکنان کا اس خوبصورت اور نظریاتی نشست منعقد کرنے پر فرداً فرداً شکریہ ادا کرتے پایا گیا۔ (ادارہ)

علامہ اقبال کی دو معرکہ آرا طویل نظموں

شکوہ و جوابِ شکوہ

کا منظر و پس منظر

حافظ مختار احمد گوندل *

قرآن اکیڈمی جھنگ نے 'شکوہ اور جوابِ شکوہ' کے لیے صد سالہ یادگاری نشست کا اہتمام کیا تھا۔ یہ نشست 29 ؍اپریل 12ء کو اکیڈمی میں منعقد کی گئی۔ اس کی تفصیلی رپورٹ اس شمارے میں شامل ہے۔ اس موقع پر فاضل مقالہ نگار حافظ مختار احمد گوندل صاحب نے ان خیالات کا اظہار فرمایا جو قارئین کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

تاریخ اسلامی کا تجزیہ، شاندار ماضی کا تذکرہ اور سوئی ہوئی قوم کو جگانے کے لیے دردِ جگر سے لبریز دو منظوم شاہکار 'شکوہ اور جوابِ شکوہ' دنیا کی تاریخ میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ان نظموں کے دنیا کی کئی معروف زبانوں میں تراجم بھی ہو چکے ہیں، بہت کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے اور ابھی آئندہ اس پر نا معلوم کتنا مزید لکھے جانے کی گنجائش موجود ہے۔ تا آنکہ............ دنیا میں نظامِ خلافت کا قیامِ عمل میں آ جائے۔

حضرت علامہ اقبال بیک وقت مفکّر، فلسفی اور شاعر بھی تھے۔ جب اُمت مسلمہ ہر طرف سے اعدائے دین کے نرغہ میں آ گئی تو ان حالات میں مسلمانوں کو اپنی فلاح و بہبود کے بارے میں امید کی کرن مجسّم ہو کر آپ کی ذات میں مرتکز ہوتی نظر آئی۔ 1895ء میں بیرسٹر حکیم امین الدین کے مکان بازار حکیماں، لاہور میں ایک مشاعرہ کی طرح ڈالی۔ اسی حلقہ کے احباب

* سابق ڈپٹی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی، حال قرآن اکیڈمی جھنگ

کے اصرار پر انجمن حمایت اسلام کے لئے اپنی پہلی مشہور نظم 'نالہ یتیم' 24 فروری 1900ء کو انجمن

کے اجلاس (بعد نمازِ عصر) پڑھی۔ ستمبر 1905ء میں جب علامہ اقبال اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ کے لیے عازم سفر ہوئے تو اُنہیں قیامِ یورپ کے دوران مشاہدہ ہوا کہ اہل اسلام کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کا ایک جال بنا جاچکا ہے اور مغرب اس مکروہ کھیل کا گڑھ ہے۔ 1904ء میں فرانس، انگلستان باہمی اتحاد کی بنیاد رکھی گئی تو روس نے ایران کو اپنی سیاست کا اکھاڑہ بنایا۔ حضرت علامہ اقبال نے یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کی علمی وسائنسی ترقی کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا۔ اقوامِ عالم کے عروج وزوال کی داستان بچشم خود ملاحظہ کی جبکہ تہذیب یورپ کے فکری ونظری تضادات کو اپنے اشعار کا موضوع بنایا۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد یورپ کی مسیحی طاقتوں کی یلغار سے مسلمانانِ ہند دل گیر ودل گرفتہ تھے۔ شکوہ اور جوابِ شکوہ والی یہ لافانی نظمیں امت مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ کی جدوجہد کے لیے مہمیز ثابت ہوئیں سیاسی بیداری اور آزادیٔ ہند کی اُمنگ ان طویل نظموں کے نمایاں پہلو ہیں۔ شکوہ میں اگر شاندار ماضی کی صدائے بازگشت ہے تو جوابِ شکوہ میں مستقبل کی درخشندگی کی تڑپ موجود ہے۔

علامہ اقبال جولائی 1908ء میں واپس وطن تشریف لائے تو پی۔ ایچ۔ ڈی کے ساتھ ساتھ بیرسٹری کے امتحان میں بھی کامیاب ہوکر آئے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں تدریس کے ساتھ ساتھ وکالت بھی کرنے لگے۔ اپریل 1911ء میں انجمن کے سالانہ اجلاس میں اپنی لازوال نظم ''شکوہ'' پڑھی۔ خدا سے یہ اندازِ تخاطب بھی اچھوتا تھا اور یہ فقط قومی مرثیہ نہیں بلکہ تابناک اور روشن مستقبل کی نوید تھی۔ یہ وہ دور تھا جس میں عالم اسلام انحطاط کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا۔ سلطنت عثمانیہ کی شکست وریخت کا عمل آخری مراحل میں تھا............روس اسے یورپ کا مردِ بیمار کہا کرتا تھا اور بلقانی ریاستوں کو ہڑپ کرنا چاہتا تھا۔ 1911ء میں اطالوی فوجوں نے طرابلس (موجودہ لیبیا) پر حملہ کردیا تھا۔ 1909ء میں سلطان عبدالحمید خان جو ساڑھے چار لاکھ مربع میل پر مسلمانوں کے واحد خلیفہ تھے ایک بغاوت کے نتیجہ میں معزول کردیے گئے تھے جس کے بعد مختصر عرصہ میں ترکی سیکولر ریاست بن گیا۔

ہندوستان میں دو بڑے اخبار 'زمیندار' اور 'الہلال' مسلمانوں کے ترجمان تھے جو عالمی

وملّی واقعات سے اہل ہند کو آگاہ رکھتے تھے۔ برصغیر میں پہلے تقسیم بنگال اور پھر 1911ء میں اس کی منسوخی، دہلی کو دارالسلطنت قرار دینا اور مسلمانانِ ہند کی وحدت کا تصور اور دیگر تمام عالمی وقومی حالات وتبدیلیاں علامہ اقبالؒ کے سامنے تھیں۔

انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس سے پہلے ہی یہ خبر مشہور ہوگئی تھی کہ علامہ اقبال اس سال (1911ء) ایک خاص نظم پڑھنے والے ہیں یہ جلسہ ریواز ہوسٹل کے صحن میں منعقد ہوا اور آغازِ جلسہ سے ہی پنڈال کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ جلسہ کا سٹیج دائیں جانب پچھلے پلاٹ میں بنایا گیا تھا۔ اقبال اور انجمن حمایت اسلام کے مصنف محمد حنیف شاہد لکھتے ہیں: ''علامہ اقبال نظم پڑھنے کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے شلوار اور چھوٹا سا کوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ سر پر ترکی ٹوپی تھی آپ نے سب سے پہلے ایک قطعہ تحت اللفظ پڑھا جس کا آخری شعر یہ تھا

ڈھب مجھے قوم فروشی کا نہیں یاد کوئی
اور پنجاب میں ملتا نہیں اُستاد کوئی

اس کے بعد اصل نظم پڑھی۔ آپ نے انجمن کے جلسوں میں جتنی نظمیں پڑھی تھیں۔ انہیں خود چھپوا کر لاتے تھے لیکن ''شکوہ'' چھپوایا نہیں تھا۔ سب سے پہلے نظم کی رونمائی کا سوال پیدا ہوا۔ نظم جن کاغذوں پر لکھی گئی تھی ان کے لئے رونمائی کے طور پر مختلف اصحاب نے مختلف رقوم پیش کیں .... نواب سر ذوالفقار علی خان نے ایک سو روپے کی رقم کا اعلان کیا............ یہ رقم ادا کرنے کے بعد نواب صاحب نے اصل نظم انجمن ہی کی نذر کر دی۔''

علامہ اقبال نظم پڑھنے کے لئے اُٹھے تو مختلف سمتوں سے صدائیں بلند ہوئیں کہ نظم گا کر پڑھی جائے' کیونکہ پیشتر ازیں علامہ اقبال نے جتنی نظمیں انجمن کے جلسوں میں پڑھی تھیں' گا کر ہی پڑھی تھیں اور ان کی لے میں جو سحر انگیز جاذبیت تھی اس کی کیفیت بھی بیان میں نہیں آسکتی۔

شیخ عبدالقادر جنہوں نے ''شکوہ'' اپنے کانوں سے سنا۔ جلسے کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''انجمن کا ایک اجلاس جس میں اقبال نے اپنی مشہور نظم ''شکوہ'' اپنے خاص انداز میں پڑھی بہت لوگوں کو یاد ہوگا جب کیف غم کا سماں جلسے پر چھا گیا تھا۔ ان کے بہت سے

مداح پھولوں سے جھولیاں بھر کر لائے تھے اور جب وہ پڑھ رہے تھے تو اُن پر پھول برسا رہے تھے۔ اس وقت کی ایک اور بات خاص طور پر قابل دید تھی کہ اقبال کا معمر باپ اس نظم کے سننے والوں میں موجود تھا۔ باپ کی آنکھوں میں بیٹے کی کامیابی دیکھ کر خوشی کے آنسو تھے مگر لبوں پر تاثیر کلام سے وہی علامات غم تھیں جو بیٹے کے چہرے پر تھیں۔ درحقیقت یہ خصوصیت بیٹے نے باپ سے ورثے میں پائی تھی۔'' (اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص، 81-83)

شکوہ اور جواب شکوہ مذہبی شاعری کی ایک واسوخت ہے گو یہ علامہ اقبال کی ابتدائی شاعری ہے لیکن یہ فنی خوبیوں اور شعری محاسن سے لبریز وہ دو طویل نظمیں ہیں جنھیں ہر طرف سے تحسین آمیز کلمات سے ہی نوازا گیا۔

مجالس اقبال مرتبہ جعفر بلوچ صفحہ 72 تا 73 پر میاں عطاء الرحمٰن اپنے مضمون 'علامہ اقبال' میں اس منظر کو بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''غرض یہ کہ اقبال ڈائس پر آئے چاروں طرف سے اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ بلند ہوا اور حسبِ معمول ڈائس پر تھوڑی بہت کھسر پھسر کے بعد وہ اپنی نظم پڑھنے کو کھڑے ہوئے۔ باوجود سامعین کے بے حد اصرار کے اقبال نے نظم کو ترنم سے پڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ترنّم سے پڑھنا نظم کے مضمون سے مناسبت نہیں رکھتا معلوم ہوا کہ نظم کا عنوان ''شکوہ'' ہے۔

اقبال پہلا بند پڑھنے لگے۔

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں؟ فکرِ فردا نہ کروں ' محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں' اور ہمہ تن گوش رہوں ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں؟
جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے 'خاکم بدہن' ہے مجھ کو

ہزاروں کے مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ کیا مجال کہ کسی کے سانس لینے کی آواز تک سنائی دے جائے۔

دوسرا بند شروع ہوا:

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

ساز خاموش ہیں، فریاد سے معمور ہیں ہم   نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا ! شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے

خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

جوں جوں اقبال نظم پڑھتے جاتے تھے۔سامعین کا جوش بڑھتا جاتا تھا اور ہر بند کے بعد تالیوں اور نعروں کا ایک طوفان برپا ہو جاتا تھا۔جس کے خاموش ہونے تک اقبال کو بار بار رکنا پڑتا تھا۔اسی ہنگامہ پرورشان کے ساتھ یہ نظم شروع سے آخر تک پڑھی گئی اور نئے اسلامیہ کالج لاہور کے میدان میں آج تک انجمن حمایت اسلام کے یا دوسرے جتنے بھی جلسے ہوئے ان میں مجھے یاد نہیں کہ کسی میں اس قدر جوش وخروش کا اظہار کیا گیا ہو' جس قدر اس قابل یادگار موقع پر ہوا۔

شکوے کے شائع ہونے کے بعد چاروں طرف سے جوابوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔ کھلے خطوط میں' اخباری مضامین نثر میں' نظم میں' درجنوں پمفلٹ شائع ہوئے۔کچھ دینی حلقوں نے کوتاہ نظری کی بنا پر اقبال کو برا بھلا بھی کہا لیکن اقبال بالکل خاموش رہے۔اس کے کچھ عرصہ بعد ان کی نظم' شمع و شاعر' جو قدرے مشکل زبان میں لکھی گئی تھی اور مقصد اور خیالات زیادہ تر سیاسی تھے۔سوائے اعلیٰ تعلیم یافتہ اسلامی پبلک کے اس کا لطف کوئی نہیں اُٹھا سکا؛ اس لئے گو اس کی شہرت بہت ہوئی لیکن عوامی نہیں۔

اس سے بھی چند ماہ یا شاید ایک سال بعد (جوابِ شکوہ علامہ اقبال نے 1913ء میں لکھا) جنگ بلقان کے دوران خبر ملی کہ اقبال نے خود شکوے کا جواب لکھا ہے جو عنقریب کسی جلسے میں پڑھا جائے گا۔اس پر جوش اُمید ہر طرف پھیل گیا اور شاید اسی سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے مولانا ظفر علی خاں ''زمیندار'' والوں نے لاہور موچی دروازے کے باہر باغ میں ایک عظیم الشان جلسہ کا اہتمام کیا اور مشتہر خود اس جلسے میں موجود تھا۔اقبال نے نظم اسی طرح داد کی بوچھاڑ میں ہی پڑھی۔ایک ایک شعر نیلام کیا گیا اور ایک گراں قدر رقم بلقان فنڈ کے لئے جمع ہوگئی۔

یہ نظم کئی لحاظ سے شکوے کی نسبت بہت زیادہ بلند ہے اور اس میں پہلے مسلمانوں کو یہ بتایا گیا کہ ان کا شعار اسلامی نہیں رہا' وہی سبق دیا گیا ہے جو اقبال کی طرف سے' اہل اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے یعنی یہ کہ زمانہ گزشتہ کی یاد میں رونے دھونے سے کچھ حاصل نہیں۔

اسلام فنا نہیں ہوسکتا۔ اگر کوشش کرو تو سب کچھ ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کوشش کرنے والوں ہی کے ساتھ ہے۔ چند بندسن لیجئے تا کہ اقبال کے قومی درد کے خلوص کا اندازہ ہو سکے۔ اللہ سے شکوے کے بعد دیکھئے جواب کس طرح شروع ہوتا ہے۔''

شکوہ اور جوابِ شکوہ کے انداز اور لہجے کا منظر کچھ اس طرح ہے

شکوہ کے بند نمبر 6 میں علامہ اقبال نے فرمایا:

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں! خُشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں

جوابِ شکوہ کے بند نمبر 7 میں کہا:

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں اُمتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں

شکوہ کے بند نمبر 10 میں فرمایا:

کون سی قوم فقط تری طلب گار ہوئی؟ اور تیرے لیے زحمت کش پیکار ہوئی؟

تو جوابِ شکوہ کے بند نمبر 11 میں کہا:

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

شکوہ کے بند نمبر 11 میں فرمایا:

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

جوابِ شکوہ بند نمبر 15 میں فرمایا:

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا، تو غریب زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب

شکوہ کے بند نمبر 16 میں فرمایا:

یہ شکایت نہیں، ہیں ان کے خزانے معمور نہیں محفل میں جنھیں بات بھی کرنے کا شعور

تو جوابِ شکوہ کے بند نمبر 12 میں کہا:

کیا کہا؟ بہرِ مسلماں ہے فقط وعدۂ حور شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور!

شکوہ کے بند نمبر 22 میں کہا:

عشق کی خیر، وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی جادہ پیمائی تسلیم و رضا بھی نہ سہی

تو جوابِ شکوہ کے بند نمبر 8 میں فرمایا:

وہ بھی دِن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا! نازشِ موسمِ گل، لالۂ صحرائی تھا !

شکوہ کے شعر نمبر 28 میں کہا گیا:

بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن' رازِ چمن کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمّازِ چمن

تو جوابِ شکوہ کے بند نمبر 26 میں کہا گیا:

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی

جوابِ شکوہ کا اختتام تو ایسے شاندار اور پُر شکوہ انداز میں ہوا ہے جسے آپ کے حاصل مطالعہ، وجدانی ترفع اور مستقبل پر نظر رکھنے والے کسی حکیم کے الہامی خیالات ہی کہا جا سکتا ہے۔ (یاد رہے کہ یہ وہی الفاظ ہیں جو احادیث مبارکہ میں واضح طور پر آتے ہیں کہ قربِ قیامت میں اسلام عالمی سطح پر دوبارہ غالب ہو جائے گا............مگر اسے کتابوں سے نکال کر عوامی جلسہ میں بیان کرنے کا سہرا صرف علامہ اقبال کے سر ہے)۔ ارشاد ہے

ؔ وقت فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

ؔ قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اُجالا کر دے

اور فرمایا

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

فوری مطالعے کے لیے قارئین حکمت بالغہ کی خدمت میں شکوہ اور جوابِ شکوہ کا متن حاضر ہے۔

شکوہ

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں؟ فکرِ فردا نہ کروں ' محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں، اور ہمہ تن گوش رہوں ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں؟
جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے 'خاکم بدہن' ہے مجھ کو

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
ساز خاموش ہیں، فریاد سے معمور ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم
اے خدا ! شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم پھول تھا زیبِ چمن، پر نہ پریشاں تھی شمیم
شرط انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم؟
ہم کو جمعیت خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ اُمت ترے محبوبؐ کی دیوانی تھی؟

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر کہیں مسجود تھے پتھر ، کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکر محسوس تھی انساں کی نظر مانتا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر؟
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا!

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی، تورانی بھی اہل چیں چین میں، ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی اسی دنیا میں یہودی بھی تھے، نصرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اُٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی، بنائی کس نے؟

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں! خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں		کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے، تو جنگوں کی مصیبت کے لیے		اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے		سربکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے؟
قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی!

ٹل نہ سکتے تھے، اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے		پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی، تو بگڑ جاتے تھے		تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے؟		شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟		کاٹ کر رکھ دیے کفار کے لشکر کس نے؟
کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدۂ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تری طلب گار ہوئی؟		اور تیرے لیے زحمت کش پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہانگیر، جہاندار ہوئی؟		کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی؟
کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے ھُوَ اللّٰہُ اَحَد کہتے تھے

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز		قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز		نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے!
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے!

محفل کون و مکاں میں سحر شام پھرے　　مئے توحید کو لے کر صفت جام پھرے
کوہ میں، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے　　اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے؟

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے!
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے!

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے　　نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے　　تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلا کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں ، تو بھی تو دلدار نہیں!

اُمتیں اور بھی ہیں ان میں گنہگار بھی ہیں　　عجز والے بھی ہیں، مست مئے پندار بھی ہیں
ان میں کاہل بھی ہیں، غافل بھی ہیں ہشیار بھی ہیں　　سینکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر!

بت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے،　　ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے　　اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے

خندہ زن کفر ہے، احساس تجھے ہے کہ نہیں؟
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؟

یہ شکایت نہیں، ہیں ان کے خزانے معمور　　نہیں محفل میں جنھیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور　　اور بے چارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور!

اب وہ الطاف نہیں، ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

کیوں مسلمانوں میں ہے دولتِ دنیا نایاب　　تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اٹھے سینۂ صحرا سے حباب　　رہروِ دشت ہو سیلی زدۂ موجِ سراب

طعنِ اغیار ہے ، رسوائی ہے ، ناداری ہے

کیا تیرے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا   رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا !
ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا   پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا !
ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے، جام رہے؟

تیری محفل بھی گئی، چاہنے والے بھی گئے   شب کی آہیں بھی گئیں، صبح کے نالے بھی گئے!
دل تجھے دے بھی گئے، اپنا صلہ لے بھی گئے   آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے
آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر!

دردِ لیلیٰ بھی وہی، قیس کا پہلو بھی وہی   نجد کے دشت وجبل میں رمِ آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی، حسن کا جادو بھی وہی   اُمتِ احمدِ مرسل بھی وہی، تو بھی وہی
پھر یہ آزردگیِ غیرِ سبب کیا معنی؟
اپنے شیداؤں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی؟

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟   بت گری پیشہ کیا؟ بت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟   رسمِ سلمانؓ و اویسِ قرنیؒ کو چھوڑا؟
آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں!
زندگی مثلِ بلالِ حبشیؓ رکھتے ہیں!

عشق کی خیر، وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی   جادہ پیمائی تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مضطرب دل صفتِ قبلہ نما بھی نہ سہی   اور پابندیٔ آئینِ وفا بھی نہ سہی
کبھی ہم سے، کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے!

سرِ فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے   اِک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے   پھونک دی گرمیٔ رخسار سے محفل تو نے

آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں؟
ہم وہی سوختہ ساماں ہیں، تجھے یاد نہیں؟

وادیٔ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا　　قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے، ہم نہ رہے دل نہ رہا　　گھر یہ اُجڑا ہے کہ تو رونقِ محفل نہ رہا
اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے حجابانہ سوئے محفلِ ما باز آئی!

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جو بیٹھے　　سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کو کو بیٹھے
دور ہنگامۂ گلزار سے یک سو بیٹھے　　تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ھُوْ بیٹھے
اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروزی دے
برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قومِ آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز　　لے اُڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز　　تو ذرا چھیڑ تو دے، تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے
طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے!

مشکلیں اُمتِ مرحوم کی آساں کر دے　　مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے
جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کر دے　　ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے
جوئے خوں می چکد از حسرتِ دیرینۂ ما
می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما!

بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن، رازِ چمن　　کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمّازِ چمن
عہدِ گل ختم ہوا، ٹوٹ گیا سازِ چمن　　اُڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن
ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

قمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں　　پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں

وہ پرانی رَوِشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عریاں بھی ہوئیں
قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی!
لطف مرنے میں ہے باقی' نہ مزا جینے میں کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں!
کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں!
اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں
چاک اس بلبل تنہا کی نوا سے دِل ہوں جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دِل ہوں پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں
عجمی خُم ہے تو کیا' مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا' لے تو حجازی ہے مری

جوابِ شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں ، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے، رفعت پہ نظر رکھتی ہے خاک سے اُٹھتی ہے، گردوں پہ گزر رکھتی ہے
عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا
آسماں چیر گیا نالۂ بے باک مرا
پیر گردوں نے کہا سن کے، کہیں ہے کوئی! بولے سیّارے، سرِ عرشِ بریں ہے کوئی!
چاند کہتا تھا ،نہیں، اہلِ زمیں ہے کوئی ! کہکشاں کہتی تھی پوشیدہ یہیں ہے کوئی !
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھے جنتّ سے نکالا ہوا انساں سمجھا
تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا! عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا!

تا سرِ عرش بھی انساں کی تگ و تاز ہے کیا؟ آ گئی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا؟
غافل آداب سے سُکّانِ زمیں کیسے ہیں !
شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں !

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے تھا جو مسجودِ ملائک یہ وہی آدم ہے ؟
عالمِ کیف ہے، دانائے رموزِ کم ہے ہاں ،مگر عجز کے اسرار سے نا محرم ہے
ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو!

آئی آواز غم انگیز ہے افسانہ ترا اشکِ بیتاب سے لبریز ہے پیمانہ ترا
آسماں گیر ہوا نعرۂ مستانہ ترا کس قدر شوخ زباں ہے دلِ دیوانہ ترا
شکر شکوے کو کیا حسنِ ادا سے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں،کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے ، جوہرِ قابل ہی نہیں جس سے تعمیر ہو آدم کی ، یہ وہ ِگل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دُنیا بھی نئی دیتے ہیں

ہاتھ بے زور ہیں ، الحاد سے دل خوگر ہیں اُمتی باعثِ رسوائی پیغمبرؐ ہیں
بت شکن اُٹھ گئے، باقی جو رہے بت گر ہیں تھا براہیمؑ پدر، اور پسر آزر ہیں
بادہ آشام نئے ، بادہ نیا ، خم بھی نئے
حرمِ کعبہ نیا ، بت بھی نئے ،تم بھی نئے

وہ بھی دِن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا ! نازشِ موسمِ گل، لالۂ صحرائی تھا !
جو مسلمان تھا اللہ کا سَودائی تھا ! کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا !
کسی یکجائی سے اَب عہدِ غلامی کر لو
ملتِ احمدِؐ مرسل کو مقامی کر لو!

کِس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے ! ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمھیں پیاری ہے
طبع آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے تمہیں کہہ دو یہی آئینِ وفا داری ہے ؟
قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں ، محفلِ انجم بھی نہیں

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن ، تم ہو نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن ، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن، تم ہو بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو
ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے ؟

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے ؟ نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے ؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے ؟ میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے ؟
تھے تو آبا وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو ؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو !

کیا کہا؟ بہرِ مسلماں ہے فقط وعدۂ حور شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور!
عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور
تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰؑ ہی نہیں

منفعت ایک ہے اِس قوم کی، نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی ، اللہ بھی ، قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک؟
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں !
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں ؟

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِؐ مختار؟ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟ ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمھیں پاس نہیں

جاکے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا، تو غریب زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا ، تو غریب پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمھارا، تو غریب
امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملتِ بیضا غربا کے دم سے

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں، روحِ بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

شور ہے، ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود!
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بے باک عدل اس کا تھا قوی، لوثِ مراعات سے پاک
شجر فطرتِ مسلم تھا حیا سے نمناک تھا شجاعت میں وہ اک ہستیٔ فوق الادراک
خود گدازی نم کیفیت صہبایش بود
خالی از خویش شدن صورتِ مینایش بود

ہر مسلماں رگِ باطل کے لیے نشتر تھا اس کے آئینۂ ہستی میں عملِ جوہر تھا
جو بھروسا تھا اسے قوتِ بازو پر تھا ہے تمھیں موت کا ڈر، اس کو خدا کا ڈر تھا
باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو!

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے تم مسلماں ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے، نے دولت عثمانی ہے تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم تم خطا کار و خطابیں، وہ خطا پوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم
تختِ فغفور بھی ان کا تھا، سریرِ کے بھی
یونہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی؟

خودکشی شیوہ تمہارا، وہ غیور و خوددار تم اخوت سے گریزاں، وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستان بکنار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی!

مثل انجم افق قوم پہ روشن بھی ہوئے بت ہندی کی محبت میں برہمن بھی ہوئے
شوق پرواز میں مہجور نشیمن بھی ہوئے بے عمل تھے ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے
ان کو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا
لا کے کعبے سے صنم خانے میں آباد کیا

قیس زحمت کش تنہائی صحرا نہ رہے شہر کی کھائے ہوا، بادیہ پیما نہ رہے
وہ تو دیوانہ ہے، بستی میں رہے یا نہ رہے یہ ضروری ہے حجابِ رُخِ لیلا نہ رہے
گلۂ جور نہ ہو، شکوۂ بیداد نہ ہو
عشق آزاد ہے، کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو!

عہدِ نو برق ہے، آتش زن ہر خرمن ہے ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوام کہن ایندھن ہے ملت ختم رسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی

خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی　　گل بر انداز ہے خون شہداء کی لالی
رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی اُفق تابی ہے!
اُمتیں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں　　اور محرومِ ثمر بھی ہیں، خزاں دیدہ بھی ہیں
سینکڑوں نخل ہیں، کاہیدہ بھی، بالیدہ بھی ہیں　　سینکڑوں بطنِ چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں
نخلِ اسلام نمونہ ہے برو مندی کا
پھل ہے یہ سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا
پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا　　تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا
قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا　　غیر یک بانگ درا کچھ نہیں ساماں تیرا
نخل شمع استی و در شعلہ دود ریشہ تو
عاقبت سوز بود سایۂ اندیشۂ تو
تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے　　نشہ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے　　پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصر نو رات ہے، دھندلا سا ستارا تو ہے
ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا　　غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا　　امتحاں ہے ترے ایثار کا، خود داری کا
کیوں ہراساں ہے صہیل فرسِ اعدا سے
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفس اعدا سے
چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری　　ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری　　کوکب قسمت امکاں ہے خلافت تیری
وقت فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

مثل بو قید ہے غنچے میں، پریشاں ہو جا — رخت بردوش ہوائے چمنستاں ہو جا
ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیاباں ہو جا — نغمہ موج سے ہنگامہ طوفاں ہو جا!

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو — بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں، دامن کہسار میں، میدان میں ہے — بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراکش کے بیاباں میں ہے — اور پوشیدہ مسلماں کے ایمان میں ہے

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے

مردم چشم زمین یعنی وہ کالی دنیا — وہ تمہارے شہداء پالنے والی دنیا
گرمی مہر کی پروردہ ہلالی دنیا — عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری — مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری — تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے

سوسال

(1910-2010ء)

پر رسائل وجرائد کے تبصرے

1۔ سہ ماہی حکمت قرآن لاہور میں شائع ہونے والا............تبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

انجینئر مختار حسین فاروقی ایک مستعد اور خودشناس شخصیت ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انہیں جو صلاحیتیں دے رکھی ہیں وہ ان سے بخوبی واقف ہیں اور ان سے بھر پور فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ قوموں کی تاریخ پر ان کی گہری نگاہ ہے۔وہ باشعور اور حقیقت پسند تجزیہ نگار ہیں۔ان کی تحریروں میں غلبہ اسلام کی جدوجہد پر زور دیا جاتا ہے۔اس مقصد کا شعور عام کرنے کے لئے ان کی ادارت میں جھنگ سے ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔

زیرتبصرہ کتاب میں اُنہوں نے 1910ء سے 2010ء کے سوسالوں کے حالات کا تجزیہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس عرصہ میں اُمت مسلمہ پر کیا گزری اور خاص طور پر برصغیر کے مسلمانوں کو کون سے حالات درپیش رہے اور ان سالوں میں مشاہیر اسلام نے کیا جدوجہد کی۔ برطانیہ کے مقبوضہ مسلم علاقے ایک ایک کر کے آزاد ہوتے رہے اور اگست 1947ء میں پاکستان ایک آزاد مسلم ریاست کے طور پر دُنیا کے نقشے پر ابھرا۔قیامِ پاکستان کے پس منظر میں جو تحریک اُٹھی اس میں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کے کردار کی حیثیت نمایاں ہے جنہوں نے اپنے مؤثر مقالات اور روح پرور اشعار کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی کی قدر و قیمت سے آگاہ کیا جس کے نتیجے میں آزادی کی تحریک نے ایسا زور پکڑا کہ مسلمان ہندوؤں اور انگریزوں کی غلامی سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور اغیار کی شدید مخالفت کے باوجود قیامِ پاکستان کا معجزہ وقوع پذیر

ہوگیا۔ پھر ایک تلخ حقیقت سامنے آئی کہ پاکستان کو مخلص قیادت نہ ملی جس سے قیامِ پاکستان کا مقصد شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

مصنف نے اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو صحیح طور پر اس بات کی فکر رہی ہے کہ مسلمان اگر طاقت پکڑ گئے تو یہ ہمارے لئے سب سے بڑا خطرہ ہوں گے' چنانچہ اُنہوں نے مسلمانوں کو دبانے کے لئے انسانیت سوز انداز اختیار کیے۔ پہلے روس افغانستان کے مسلمانوں پر چڑھ دوڑا' مگر افغانی مسلمانوں نے اس کو ناک سے چنے چبوادیے۔ وہ افغانستان کو فتح کیا کرتا اس کے اپنے حصے بخرے ہو گئے اور وہ اپنی سپر پاور کی حیثیت کھو بیٹھا۔ اب امریکہ کو افغانستان میں اسلامی نظامِ حکومت سے اس قدر خطرہ پیدا ہوا کہ اس نے اس پس ماندہ ترین ملک پر پوری شدت کے ساتھ حملہ کر دیا۔ اس نے مسلمانوں کا بہت نقصان کیا مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور اب وہ افغانستان سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہے۔ مصنف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ان سو سالوں کا ایک حصہ تو مسلمان غلامی میں رہے۔ اس دور میں آزادی کی جدوجہد کرتے رہے۔ دوسرے حصہ میں حصولِ آزادی کے بعد آزاد فضا میں سانس لینے کے قابل ہوگئے' مگر سامراجی طاقتوں کی سازشوں کی آماجگاہ بنے رہے' جس کے نتیجے میں 1971ء میں پاکستان کا ایک حصہ بنگلہ دیش کے نام سے الگ ہوگیا۔ آج بھی صورتِ حال یہ ہے کہ پاکستان واحد سپر پاور امریکہ کی غلامی میں جکڑا ہوا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کا مصنف اُمت کا درد رکھنے والا مسلمان اور سچا پاکستانی ہے۔ اس کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ وہ دن دور نہیں جب پاکستان' روس اور افغانستان میں نظامِ خلافت قائم ہوگا۔ اس کی تائید میں اس نے رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں بھی درج کی ہیں جن کا متن اور ترجمہ کتاب کے آخری صفحات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

آج پاکستان اور بھارت کے درمیان سرحد کی لکیر کو ختم کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اس طرح ہندوؤں کی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ وہ اکھنڈ بھارت کا خواب پورا کر لیں گے مگر مسلمانوں کی طرف سے اس خیال کی حمایت تو علامہ محمد اقبال' قائداعظم اور دوسرے محسنین اور مشاہیر کی روحوں کو اذیت پہنچانے اور لاکھوں قربانیوں کو فراموش کرنے کی کوشش اور خود کو ہندوؤں

کی غلامی میں دینے کی طرف پیش قدمی ہے۔ پاکستان حکومت کی طرف سے بھارت کو پسندیدہ ملک قرار دینا اس نادانی، جہالت اور عاقبت نااندیشی کا نتیجہ ہے۔

کتاب کو بنظر غائر پڑھنے سے حیرت ہوئی بلکہ افسوس ہوا کہ اس میں مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد کی دینی سیاسی اور قومی خدمات کا تذکرہ نظر انداز ہوگیا ہے، جبکہ ان دونوں حضرات کی مسلم بیداری میں ناقابل فراموش جدوجہد نصف صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے۔ اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کر کے اس فروگزاشت کی تلافی ضروری ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس کتاب کو جامعیت کے مرحلے سے گزار کر کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر شامل نصاب کیا جائے، تاکہ پاکستانی نوجوان آزادی کی قدر و قیمت سے آشنا ہو سکیں اور اپنے دوست اور دشمن کو پہچان سکیں۔ کتاب کا کاغذ اعلیٰ سفید اور کمپوزنگ معیاری ہے۔ تاہم ضخامت کے اعتبار سے قیمت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

2۔ ماہنامہ تکبیر ٹائم فیصل آباد مئی 2012ء میں شائع ہونے والا............تبصرہ

تبصرہ نگار محمد اسلم شیخ

اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ علم ہی انسان کو صاف ستھری اور بامقصد زندگی گزارنے کا راستہ دکھاتا ہے۔ اور اچھا علم ہمیں کتابوں کے ذریعے سے ہی ملتا ہے۔ خاص طور پر ایسی کتاب جس سے ہمارے علم میں اضافہ بھی ہو اور تاریخ سے آگاہی بھی حاصل ہو، سونے پر سہاگے کا کام دیتی ہے۔ اس وقت ایک کتاب میرے ہاتھ میں ہے جس کا ٹائٹل ہے

جنوبی ایشیاء میں مسلم بیداری کے **سو سال**

جو 1910ء سے 2010ء کے عرصہ پر مشتمل ہے۔ جس میں تین عظیم عالمی مغربی سپر طاقتوں کے زوال کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جس کے مصنف ہیں انجینئر مختار حسین فاروقی۔

کتاب کی بات تو الگ، اس کا انتساب ہی بہت خوبصورت اور حیران کن ہے، جس نے ذاتی طور پر مجھے بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ کیونکہ یہ ان مسلمان خواتین وحضرات کی سعید روحوں کے نام ہے جنہوں نے گزشتہ ایک صدی میں احیائے اسلام اور احیائے خلافت کی کوششوں میں مال اور وقت کی قربانی دی۔ مصائب جھیلے گھر بار کی قربانی دی وطن چھوڑا اور ایک عظیم مشن کی خاطر جان کا

نذرانہ بھی پیش کر دیا۔ اور صرف یہی بات اُمت مسلمہ کے لیے ایک بہت بڑا پیغام ہے۔ اس کے بعد اس میں ایک صدی پہلے غلامی کی تاریک شب میں مسلمانوں کی حالت زار کیا تھی؟ علامہ اقبال نے اپنے فارسی کے اشعار میں سب کچھ بیان کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ کلام اقبال میں ہی امریکی زوال کے پس منظر میں سابق برطانوی ہند کے مسلمانوں کی کیفیت بھی بیان کی گئی ہے۔

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ جس کے پہلے حصہ میں مصنف کے قسط وار چار مضامین جو ماہ جنوری، مارچ، جون اور نومبر 2010ء میں برطانوی ہند کے مسلمانوں کی احیائی سرگرمیوں کے جائزہ کے طور پر شائع ہوئے تھے جو نہایت مفید ہیں اور یہاں ان کو یکجا شائع کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں ماہِ اگست 2007ء میں شائع شدہ ایک تحریر جو جنگ آزادی 1857ء کے ڈیڑھ سو سال مکمل ہونے پر شائع ہوئی تھی، جسے غاصب برطانوی سامراج نے غدر اور بغاوت کا نام دیا تھا، اس کے تین فریقوں 1۔ برطانوی سامراج 2۔ ہندو 3۔ مسلمان، 150 سال کے بعد کے حالات وواقعات اور اجتماعی سفر میں کامیابیوں اور ناکامیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

حصہ اوّل جس میں 1910ء تا 2010ء جنوبی ایشیا (برطانوی ہند) کے مسلمانوں کی احیائے خلافت کی جدوجہد کا ذکر ہے، چار ادوار پر مشتمل ہے۔ پہلا دور 1910ء سے 1938ء تک کا ہے، جس میں مسلمانوں کی حالت زار اور علامہ اقبال کی بے مثال فکری بصیرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرا دور جس میں 1938ء سے قیامِ پاکستان تک (جنوبی ایشیا) برطانوی ہند کے مسلمانوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد تیسرا دور قیامِ پاکستان یعنی 1947ء سے 1998ء تک کا ہے اور پھر چوتھا دور 1998ء سے 2010ء تک کا ہے اس میں برطانوی ہند کے مسلمانوں کے حالات کا ذکر ہے۔ جس میں علامہ اقبال کے اس شعر کے ذریعے سے برطانوی ہند کے مسلمانوں کو حوصلہ ہمت دینے کے ساتھ ساتھ خوشی کی نوید سنائی گئی ہے کہ

اُٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

اور اس بات کی دُعا کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ملک پاکستان کو مسلمانانِ ہند کی اجتماعی اُمنگوں کا مصداق بنادے اور خلافت کا جو سورج 1917ء میں مغرب میں گہنا کر غروب ہوا تھا اسے دوبارہ مشرق سے ایک صدی بعد طلوع فرمادے۔ آمین

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

کتاب کا حصہ دوّم جو دوادوار پر مشتمل ہے۔ پہلا دور جس میں 1857ء کی جنگ آزادی اور یہ برطانوی ہند کی اس جنگ کے تین فریق برطانوی استعمار ہندو، مسلمان، قرآن کے قانون عروج وزوال کی روشنی میں بیان کئے ہیں۔

دوسرے دور میں مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ کے نام مصنف کا خط شامل ہے۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں آنحضورﷺ کی کچھ احادیث اور پھر ان کی روشنی میں بہت سی اہم باتیں بیان کی گئی ہے اور یہ اُمت مسلمہ کے لیے مشعل راہ بھی ہیں اور لمحہ فکر یہ بھی۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ کی طرف سے بیان کیا گیا ایک اُصول جو ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآنِ مجید) کے ذریعے کچھ لوگوں کے درجات بلند کرتا ہے اور کچھ کو گمراہ کر دیتا ہے۔ یعنی مسلمان جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت قرآن مجید اور آقا کی فرمائی ہوئی تشریحات اور عملی نمونہ کے مطابق رہیں گے دنیا میں عزت پائیں گے اور جب قرآن مجید کی ہدایت سے دور ہو جائیں گے تو وہ رسوا ہوں گے اور محکوم وغلام بن جائیں گے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ اسی اُصول کے تحت مسلمانوں کی تاریخ میں دوعروج اور دو ہی زوال آچکے ہیں۔

اس کتاب کے حوالے سے ویسے تو بہت کچھ لکھا اور بیان بھی کیا جاسکتا ہے مگر حالات اور وقت کے مطابق صرف اتنا کہنا ہے کہ یہ کتاب موضوع کے اعتبار سے اپنے اندر ایک تاریخ چھپائے ہوئے ہے اور کچھ حقائق کی روشنی میں یہ ضرور کہنا ہے کہ مسلمان زبوں حالی کا شکار بھی ہیں لیکن جدوجہد بھی جاری ہے اور آج کے مسلمانوں بالخصوص نوجوان طبقہ میں جو مایوسی پائی جاتی ہے۔ کتاب کے ذریعے سے جیسے برطانوی ہند کے مسلمانوں کی مثال ہے کہ ان میں مایوسی نہیں اور زوال کے بعد مستقبل مسلمانوں کا ہے اور اس کے ذریعے سے ایک جذبہ بھی ملے گا کہ جس سے مسلمان دنیا میں کامیاب ہو جائیں گے اور آخرت میں بھی سرخرو ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔
اور یہ مصنف کا بہترین کارنامہ ہے جس کے لئے وہ داد کے مستحق ہیں۔

مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّور

25 روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

2012ء میں 3 کورسز

24واں کورس 30اپریل تا 24 مئی 2012ء

25واں کورس 31مئی تا 24 جون 2012ء

26واں کورس 28جون تا 20 جولائی 2012ء

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہوسکتے ہیں تاکہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کرسکیں۔

☆ قیام وطعام اکیڈمی کے ذمہ ہوگا۔ ☆تعلیمی ٹائم ٹیبل اور قواعد وضوابط کی پابندی ضروری ہوگی ☆ خوبصورت لیکچرہال، مسجد، لائبریری اور دیگر ضروریات ایک ہی چھت کے نیچے۔ ☆ پرسکون اور پاکیزہ ماحول

اہل ثروت حضرات سے عطیات کا خیرمقدم کیا جاتا ہے

ہر کلاس میں طلباء کی تعداد 30 سے زیادہ نہیں ہوگی۔

مئی، جون، جولائی 2011ء میں سے اپنی فرصت کے مطابق نام رجسٹر کرائیں۔

تفصیلات کے لیے رابطہ کریں

قرآن اکیڈمی جھنگ لالہ زار کالونی نمبر 2،ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

047-7628561

E-Mail hikmatbaalgha@yahoo.com

فرمودۂ اقبال

شانِ صدیقِ اکبرؓ

آں اَمَنّ النّاس برمولائے ما
آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما
ہمتِ اوکشتِ ملتّ را چو ابر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

وہ (صدیق اکبرؓ) جن کے احسانات ہمارے آقا ﷺ پر سب لوگوں سے زیادہ تھے، وہ (صدیق اکبرؓ) جو ہمارے طور سینا (اسلام کا نورِ ہدایت) کے پہلے کلیم تھے، ان کی ہمت و کوشش نے ملت کی کھیتی کے لیے ابر کا کام کیا، جو اسلام، غارِ ثور، غزوۂ بدر اور اب قبر میں حضور ﷺ کے ساتھ دوسرے ہیں۔